جنوری ۱۹۹۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

اشاعت خصوصی ——— مشتمل

نقضِ غزل

یعنی تاریخ جماعتِ اسلامی کا ایک تاریک باب

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیئور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور

۲۲- لیاقت علی پارک ۴- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان

فون: ۲۲۱۵۹۸ - ۳۱۲۷۵۶

SV ADVERTISING

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی

جلد: ۳۹
شمارہ: ۱
جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ
جنوری ۱۹۹۰ء
فی شمارہ -/۵
سالانہ زرِ تعاون -/۵۰

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr Khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove I L 60516
Tel : 312 969 6755

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel : 313 977 8081

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rusholme Rd #1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel : 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlessex EN 34 RP
Tel : 01 805 8732

MID-EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abdu Dhabi
Tel : 479 192

INDIA US $ 6/=
c/o Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4-1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel : 42127

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P O. Box 251
Riyadh 11411
Tel : 476 8177

JEDDAH (only) SR 25/=
IFTIKHAR-UD-DIN
Manarah Market,
Hayy-ul-Aziziyah,
JEDDAH.
TEL 6702180

D.D./Ch. To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ ۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴
سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی ۔ فون: ۲۱۶۵۸۶
پبلشرز: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

■ **تذکرہ وتبصرہ** ——— ۳

ڈاکٹر اسرار احمد

■ **نقضِ غزل** ——— ۱۷

یعنی جماعتِ اسلامی کی تاریخ کا ایک تاریک باب (۱)

ڈاکٹر اسرار احمد

■ **باب اوّل** ——— ۱۹

جائزہ کمیٹی کی رپورٹ اور اس کے خلاف

مولانا مودودی کی چارج شیٹ

■ **باب دوم** ——— ۳۲

مولانا اصلاحی کا جوابی حملہ

اور جائزہ کمیٹی کا دفاع

■ **باب سوم** ——— ۵۷

مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کی رفاقت کا تاریخی

پس منظر اور جماعت اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ

■ **باب چہارم** ——— ۷۱

مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے استعفے،

مصالحت کی نئی کوشش اور راقم الحروف کا موقف

قارئینِ کرام!

نوٹ فرمالیجئے کہ لفافہ پر چسپاں سلپ پر آپ کا نام و پتہ اور زرِ تعاون ختم ہونے کی تاریخ درج ہے۔ اگر آپ ان میں کوئی غلطی پائیں تو مذکورہ "سلپ" پر ہی درستی کر کے ہمیں ارسال فرما دیجئے

نیز آئندہ خط و کتابت کرتے وقت حوالہ کے لیے سلپ پر درج کمپیوٹر کا حوالہ دینا نہ بھولیے گا!

شکریہ: سرکولیشن مینیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرار احمد

تذکرہ و تبصرہ

حسب اعلان 'میثاق' کی اشاعت خصوصی پیش خدمت ہے' جس میں "نقضِ غزل" کی چار اقساط یکجا شائع ہو گئی ہیں- پانچویں قسط کے لئے صفحات کی کمی کے باعث جگہ بھی نہیں نکل سکی' اور ویسے بھی اس میں اجتماع ماچھی گوٹھ کا ذکر نامکمل ہے- انشاء اللہ اسے مکمل کر کے آئندہ اشاعت میں پیش کر دیا جائے گا-

'نقض غزل' کا عنوان سورۂ نحل کی آیت نمبر ۹۲ سے ماخوذ ہے جس میں ایک ایسی حواس باختہ بڑھیا کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو محنت و مشقت جھیل کر سوت کاتتی ہے' اور پھر خود ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گویا اپنے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے- جماعت اسلامی پاکستان کی تاریخ میں بھی ۵۷-۱۹۵۶ء میں ایک ایسا ہی موقع آیا تھا' جب مولانا مودودی مرحوم نے اپنے بعض غلط اقدامات سے ایسی صورت پیدا کر دی کہ مولانا عبد الجبار غازی' مولانا امین احسن اصلاحی' مولانا عبد الغفار حسن' مولانا عبد الرحیم اشرف' مولانا افتخار احمد بلخی' شیخ سلطان احمد' میاں فضل احمد' چودھری عبد الحمید اور جناب سعید ملک سمیت جماعت کی قیادت کی پوری صف دوم' اور راقم الحروف ایسے بہت سے نوجوان کارکن جماعت سے علیحدہ ہو گئے- راقم نے جب ۱۹۶۶ء میں مولانا مودودی مرحوم کے ان اقدامات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات و واقعات کی 'روداد' قلمبند کرنے کا ارادہ کیا تو دفعتہً ذہن سورۂ نحل کی متذکرہ بالا آیت کی جانب منتقل ہوا' چنانچہ 'نقض غزل' ہی کو اس تلخ داستان کا عنوان بنا لیا-

---

اس تحریر کا آغاز ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ: "راقم الحروف نے جو بیان جائزہ کمیٹی کی خدمت میں پیش کیا تھا وہ کمیٹی کو پیش کئے جانے والے تحریری بیانوں میں سب سے زیادہ طویل تھا"- لہٰذا ضروری ہے کہ سب سے پہلے 'جائزہ کمیٹی' کا اجمالی تعارف کرا

دیا جائے - اور اس کے لئے بجائے اس کے کہ اب کچھ لکھا جائے مناسب ہے کہ انہی الفاظ کو درج کر دیا جائے جو راقم نے ۱۹۶۶ء میں اپنے دس سال قبل کے تحریر شدہ 'بیان' کو "تحریک جماعت اسلامی : ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کرتے وقت اس کے دیباچے میں تحریر کئے تھے - یعنی :

"پیش نظر تحریر دراصل ایک بیان ہے جو بحیثیت رکن جماعت اسلامی راقم الحروف نے اکتوبر ۵۶ء میں جائزہ کمیٹی کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جماعت اسلامی پاکستان کے اس کل پاکستان اجتماع کے موقع پر جو کراچی میں نومبر ۵۵ء میں منعقد ہوا تھا ایک اجلاس مرکزی مجلسِ شوریٰ کا منعقد ہوا جس کے سامنے وہ بہت سے اعتراضات اور متبادل تجاویز و مشورے پیش کئے گئے جو جماعت کی پالیسی اور نظام سے متعلق جماعت کے اراکین کی جانب سے موصول ہوئے تھے اور جن پر معترضین اور مجوّزین حضرات اجتماعِ ارکان میں بحث کرنا چاہتے تھے ۔ مرکزی مجلس شوریٰ نے اس اندیشے کی بنا پر کہ اگر طریق کار اور دستور سے متعلق ان دقیق بحثوں کو ارکان کے اجتماع میں چھیڑنے کی اجازت دے دی گئی تو ہنگامہ برپا ہو جائے گا یہ فیصلہ کیا کہ ان اعتراضات اور تجاویز پر غور کرنے کے لئے کہ جن میں نظم جماعت اور اس کے دستور سے بحث کی گئی تھی ایک مجلسِ تدوینِ دستور کا انتخاب عمل میں لایا جائے جس میں جماعت کے تمام تنظیمی حلقوں کو تعدادِ ارکان کے تناسب سے نمائندگی دی جائے تاکہ یہ مجلس جماعت کے لئے ایک نیا دستور مدوّن کرے (اس مجلس میں حلقۂ اوکاڑہ کے دو نمائندوں میں ایک راقم الحروف بھی منتخب ہوا تھا) اور ان اعتراضات اور تجاویز پر غور کرنے کے لئے جو جماعت کے طریق کار اور پالیسی سے متعلق ہیں ایک جائزہ کمیٹی کی تشکیل کی جائے جس کے سپرد یہ خدمت ہو کہ وہ تمام پاکستان کا دورہ کر کے جماعت کے عمومی حالات کا جائزہ لے، اور ارکانِ جماعت سے فرداً فرداً رابطہ قائم کر کے ان کی بے چینی کے اسباب معلوم کرے اور جو تجاویز ان کے ذہنوں میں ہوں ان کو مرتّب کر کے ایک جامع رپورٹ مرکزی مجلسِ شوریٰ کے سامنے پیش کرے۔

یہ مجلس ابتداءً آٹھ ارکان پر مشتمل تھی، لیکن چند ماہ بعد بعض وجوہات کی بنا پر اس

کو مختصر کر دیا گیا اور حکیم عبد الرحیم اشرف صاحب کی سر کردگی میں ان کے علاوہ مرکزی مجلسِ شوریٰ کے تین اور بزرگ اراکین یعنی مولانا عبد الجبار غازی، مولانا عبد الغفار حسن اور جناب شیخ سلطان احمدؒ پر مشتمل اس "جائزہ کمیٹی" نے تقریباً آٹھ ماہ کے عرصے میں پورے پاکستان کا دورہ کر کے اپنے فرائض مفوّضہ[1] کو ادا کیا اور نومبر ۵۶ء میں ایک رپورٹ مرکزی مجلسِ شوریٰ کی خدمت میں پیش کر دی۔

یہی وہ جائزہ کمیٹی تھی جس کی خدمت میں پیش نظر بیان پیش کیا گیا"۔

اس کے ساتھ ہی جائزہ کمیٹی کے تینوں "بزرگ ارکان" اور کمیٹی کے "فرائضِ مفوّضہ" کے بارے میں بطور وضاحت یہ حاشیے درج کئے گئے تھے:

[1] یہ خیال رہے کہ یہی وہ تین حضرات ہیں جن پر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کی غیر موجودگی میں وقتاً فوقتاً جماعت اسلامی پاکستان کی امارت کی ذمہ داری ڈالی گئی۔

[2] مرکزی مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۵ تا ۱۸ مارچ ۵۶ء نے جائزہ کمیٹی کے متعلق حسب ذیل قرار داد منظور کی تھی۔

۱۔ جماعت کی پالیسی، نظم اور حالات کے متعلق جو اعتراضات، شکایات اور تجاویز سالانہ اجتماع کے موقع پر موصول ہوئی تھیں ان کے بھیجنے والوں سے گفتگو کر کے یہ تحقیق کریں کہ ان شکایات کی بنیاد کیا ہے اور وہ اصلاح کے لئے ایجابی صورت میں کیا تجاویز پیش کرتے ہیں۔

۲۔ جماعت کے ارکان میں اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کی پالیسی، طریق کار اور حالات کے بارے میں کچھ تبدیلی چاہتے ہیں تو ان سے تحقیق کریں کہ وہ کیا تبدیلی چاہتے ہیں۔

جائزہ کمیٹی نے اپنی رپورٹ تقریباً ایک سال کی محنت و مشقت کے بعد وسط نومبر ۱۹۵۶ء میں پیش کی اور اس پر غور کرنے کے لئے مرکزی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ۲۵ نومبر کو شروع ہوا۔ اور اُس روز سے لے کر اواخرِ فروری ۵۷ء میں ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ ارکان کے اختتام تک جماعت ایک شدید بحران سے گزری جس نے ۱۹۴۱ء میں قائم

ہونے والی جماعت کو 'ختم' اور ایک نئی جماعت اسلامی کو 'جنم' دیا۔ چنانچہ اسی بحران کی داستان ہے جو 'نقضِ غزل' کے عنوان سے پیش خدمت ہے۔ اس بحرانی دور کے بعض "ناخوشگوار اور کریہہ واقعات" کی جانب راقم الحروف نے رکنیتِ جماعت سے مستعفی ہوتے ہوئے اپنے استعفے کے خط میں اشارہ کیا تھا جس کا اقتباس ذیل میں درج کیا جا رہا ہے' اس لئے کہ یہی گویا اس 'نقضِ غزل' کا اشاریہ یا انڈکس ہے۔ (واضح رہے کہ میری یہ تحریر اجتماعِ ماچھی گوٹھ کے کل دو ماہ بعد کی ہے' جو ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ مطابق اپریل ۱۹۵۷ء بحالتِ اعتکاف لکھی گئی تھی!)

"جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پیش ہونے سے لے کر اجتماع ماچھی گوٹھ تک جماعت اسلامی پاکستان کے حلقوں میں جن ناخوشگوار اور کریہہ واقعات کا چکر چلا ہے ان کو محض یاد کرنے ہی سے انسان کو سخت اذیت اور کرب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس پندرہ روزہ شوریٰ کے دوران جس میں رپورٹ پر غور ہوا۔ شوریٰ کے فعّال عناصر کا دو متقابل اور متحارب گروہوں میں تقسیم ہو جانا' بحث ردّ و قدح کے بعد اور بالآخر خوفِ انتشار کی بنا پر بالاکراہ کسر و انکسار کے ذریعے ایک لایعنی اور مہمل قرار داد کا پاس ہونا پھر اس کی مختلف توجیہیں اور جماعت کے مختلف حلقوں کی طرف سے مختلف ردِّ عمل' اس کے نتیجے کے طور پر سازشوں کی برملا تہمتیں' اکابرینِ جماعت کا ایک دوسرے کے بارے میں انتہائی گری ہوئی رایوں کا اظہار' سعید ملک صاحب کا سنسنی خیز استعفاء اور اس کا اسی انداز میں قیمِ جماعت کی طرف سے تعاقب' امیرِ جماعت کا جائزہ کمیٹی کے چاروں ارکان پر نجوٰی، گروہ بندی اور "غیر شعوری" سازش کا الزام' مولانا امین احسن صاحب کا استعفاء از رکنیتِ جماعت' امیر جماعت کا جذباتی انداز میں استعفا از امارتِ جماعت' جماعت کے اندر ایک مہم کے انداز میں امیر جماعت پر قرار دادہائے اعتماد' دو اراکینِ مرکزی شوریٰ کی رکنیتِ جماعت کا تعطل' مولانا عبد الجبار غازی صاحب کا استعفا از رکنیت جماعت' مولانا عبد الغفار حسن صاحب کا استعفاء از مناصبِ جماعت' سلطان احمد صاحب کا استعفاء از رکنیتِ شوریٰ..... یہ سارے معاملات میرے لئے اس اعتبار سے تو غیر متوقع نہ تھے کہ میری تو رائے ہی یہ تھی کہ اب جماعت ایک خالص سیاسی جماعت بن گئی ہے اور یہ اس کے ناگزیر ثمرات ہیں لیکن اس لحاظ سے کمر توڑ دینے والے تھے

کہ جماعت میں اخلاقی تنزّل اور گراوٹ کے بارے میں اتنی پست رائے میں نے ابھی قائم نہیں کی تھی..... "۔

۱۹۶۶ء میں جب راقم نے اپنی کتاب "تحریک جماعت اسلامی" شائع کی 'نقض غزل' کا اکثر و بیشتر حصہ تسوید و تبیض کے مراحل سے گزر چکا تھا- لہٰذا راقم کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ اسے بھی کتاب میں شامل کر دے- لیکن بوجوہ اس خیال کو ترک کر دیا گیا- ان 'وجوہ' میں سے ایک تو وہ ہے جس کی جانب اسی تحریر میں اشارہ ہے جو 'میثاق' ستمبر ۱۹۶۶ء میں جب 'نقض غزل' کی سلسلہ وار اشاعت کا آغاز ہوا تو اس کے تعارفی نوٹ کی حیثیت سے درج کی گئی تھی، اور جسے اب بھی من و عن شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے- (دیکھئے 'نقض غزل' کے ٹائٹل کا اندرونی صفحہ!)

'نقض غزل' کو "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" میں شامل نہ کرنے کا ایک دوسرا سبب یہ تھا کہ میرے ذہن میں اس کتاب کے حصہ دوم کا خاکہ مکمل ہو گیا تھا، جس کا باب اول اسے بننا تھا- یہی وجہ ہے کہ جب 'میثاق' میں اس کی سلسلہ وار اشاعت ہوئی تو پانچوں پرچوں کی 'فہرست مضامین' اور ہر قسط کے عنوان میں اس کی صراحت موجود تھی کہ یہ "تحریک جماعت اسلامی حصۂ دوم" کے سلسلہ کی پہلی کڑی ہے-

"تحریک جماعت اسلامی" کے اس مجوزہ حصۂ دوم کو تین ابواب پر مشتمل ہونا تھا:

ایک تو یہی 'نقض غزل' جس کا حصۂ اول اس وقت پیش نظر ہے 'اور حصۂ دوم انشاء اللہ آئندہ شمارے میں پیش کر دیا جائے گا!

دوسرا باب 'تعمیر جدید' کے عنوان سے مولانا مودودی کے ان تین نہایت اہم لیکن اسی قدر 'خطرناک' نظریات پر بحث و تنقید پر مشتمل ہوتا جن پر اجتماع ماچھی گوٹھ کے بعد ایک 'نئی جماعت اسلامی' کی تعمیرِ جدید ہوئی- یعنی:

ایک یہ کہ کسی بھی تحریک کے اصول جب آغاز میں بیان ہوتے ہیں تو کچھ اور ہوتے ہیں، لیکن جب عمل کی دنیا میں حقائق و واقعات کا سامنا ہوتا ہے تو ان میں 'حکمتِ عملی' کے تقاضوں کے مطابق لازماً تغیّر و تبدّل ہو جاتا ہے اور یہ 'قاعدۂ کلّیہ' اتنا اٹل ہے

کہ دوسروں کا توڑ کر ہی کیا' خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہ سکی تھی[1]! اعاذنا اللہ من ذالک

دوسرے یہ کہ مشہور اور ممدوح لوگوں کی شخصیتیں جو کچھ کتابوں میں نظر آتی ہیں حقیقۃً ویسی نہیں ہوتیں بلکہ گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان ان کاغذی تصویروں سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔اور یہ اصول بھی اتنا قطعی ہے کہ خود صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین بھی جیسے کچھ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں نظر آتے ہیں واقعۃً ویسے نہیں تھے' یہاں تک کہ اگر ان کے دور میں بھی کوئی جائزہ کمیٹی تشکیل دی جاتی تو وہ اس سے بھی کہیں زیادہ گھناؤنا گند جمع کر کے لاسکتی تھی جتنا جماعت اسلامی کی جائزہ کمیٹی نے پیش کیا ہے۔(معاذ اللہ!!)

تیسرے یہ کہ تحریکیں صرف اصولوں کی بنیاد پر نہیں چل سکتیں بلکہ ان کے لئے

ع "نگہ بلند' سخن دلنواز' جاں پرسوز"

کی حامل شخصیتیں ناگزیر ضرورت کے طور پر درکار ہوتی ہیں' لہٰذا اگر عالم واقعہ میں ایسی کوئی شخصیت دستیاب نہ ہو تو "پیراں نمے پرند' مریداں مے پرانند!" کے مطابق ایسی کسی شخصیت کا مصنوعی طور پر تیار کرنا نہ صرف درست بلکہ لازمی ہے!

اور تیسرا اور آخری باب "نوبت بایں جا رسید" کے عنوان سے تحریر کیا جانا مقصود تھا جس میں "لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ" (الکہف:۶) کے مصداق متذکرہ بالا تینوں نظریات کے ان آثار و ثمرات اور نتائج و عواقب کا اجمالی جائزہ پیش ہوتا' جنہوں نے جماعت اسلامی کی مجموعی پالیسی اور اس کے وابستگان کے مزاج کو اس درجہ تبدیل کر کے رکھ دیا ہے

---

[1] مولانا امین احسن اصلاحی نے مولانا مودودی مرحوم کے اس نظریۂ حکمت عملی پر بڑی بھرپور تنقید کی تھی' لیکن اول تو اس کا جو جواب مولانا مودودی نے دیا' اور پھر جواب الجواب کا جو سلسلہ چلا وہ اتنا طویل ہو گیا کہ جماعت کے اکثر لوگ اس کی علمی و استدلالی بھول بھلیوں میں گم ہو کر رہ گئے ------ دوسرے خود مولانا نے اس پر صرف علمی تنقید پر اکتفا کی اور اس کے جو نتائج تحریکی و تنظیمی سطح پر ظاہر ہو سکتے تھے' اور بالفعل ہو رہے تھے' ان کی جانب توجہ نہ کی۔لہٰذا اس کی بشناعت سے جماعت کے عام ارکان اور کارکنوں کو متنبہ کرنے کا حق ادا نہ ہو سکا!

"کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی!"

راقم کے ذہن میں ابھی یہ مواد پک ہی رہا تھا کہ ایک بالکل نئی صورت حال پیدا ہو گئی - اور وہ یہ کہ جیسے ہی "تحریک جماعت اسلامی" شائع ہوئی ایک جانب اخبارات و رسائل اور دوسری جانب انفرادی خطوط میں تبصرے شروع ہو گئے جن میں جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کرنے والوں پر ایک 'الزام' تقریباً بالاتفاق عائد کیا گیا۔ مثلاً روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور نے لکھا:

"تدارک کی مؤثر ترین بلکہ اظہر من الشمس صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان جس بات کو سچ اور درست سمجھے اس کے صرف انفرادی اظہار پر اکتفا نہ کرے بلکہ اپنے ہم رائے و ہم خیال اصحاب سے مل کر اپنے نزدیک سچ اور درست کو بروئے کار بھی لائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والوں نے اپنے اس اقدام کے بارے میں لکھا تو بہت کچھ ہے لیکن اب تک کوئی مثبت اقدام نہیں کیا"۔

اسی طرح روزنامہ 'کوہستان' کے تبصرہ نگار نے تحریر کیا:

"اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک سوال قاری کے ذہن میں بڑی شدت کے ساتھ ابھرتا ہے کہ جماعت اسلامی کے بارے میں جن لوگوں کو شکایت تھی کہ وہ صحیح نہج پر کام نہیں کر رہی ہے اور اسی بنا پر وہ اس سے الگ ہوئے، کیا انہوں نے علیحدگی کے بعد سے آج تک نو دس سال کے طویل مرحلہ میں اپنے انداز فکر کے مطابق کوئی کام بھی کیا۔ کیونکہ جہاں تک تحریک اسلامی کے نصب العین کا تعلق ہے ان حضرات کو پہلے بھی اس سے اتفاق تھا اور اسی بنا پر یہ اس میں شامل ہوئے تھے اور آج بھی جب یہ کتاب طبع ہو کر سامنے آئی ہے انہوں نے اس نصب العین سے اختلاف نہیں کیا۔ ایسی صورت میں علیحدگی کے بعد بھی اس نصب العین کے لئے اپنے انداز فکر اور طریق کار کے مطابق کام کرنے کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہو جاتے....."

اس الزام کے جواب میں 'الحمد للہ کہ' راقم الحروف نے کسی سخن سازی سے کام نہیں لیا بلکہ صاف 'اعتراف تقصیر' کرتے ہوئے جماعت سے علیحدہ ہونے والے حضرات کی خدمت میں گزارش کی کہ وہ اس پر برافروختہ ہونے کی بجائے سنجیدگی سے غور کریں:

"ہمیں اس کوتاہی اور تقصیر کا صاف اعتراف ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ علیحدہ ہونے والوں پر جماعت اسلامی اور اس کے ہم خیال حضرات کا یہ الزام بالکل درست ہے کہ انہیں مجتمع ہو کر اس نہج پر عملی جدوجہد کا آغاز کر دینا چاہئے تھا جس کو وہ صحیح سمجھتے تھے ..... آخر میں ہم جماعت سے علیحدہ ہونے والے حضرات کی خدمت میں بھی یہ گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ بالا الزام پر مشتعل ہونے کے بجائے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور واقعی جائزہ لیں کہ یہ الزام کس حد تک حقیقت پر مبنی ہے۔ ..... ہماری دیانت دارانہ رائے یہی ہے کہ اسباب خواہ کچھ بھی ہوں، بہر حال اس معاملے میں ہم سب سے مجموعی طور پر کوتاہی ہوئی ہے اور اس 'الزام' کا اصل 'جواب' ہماری جانب سے یہی ہونا چاہئے کہ جماعت اسلامی کے طریق کار میں جن غلطیوں کی نشاندہی کر کے ہم علیحدہ ہوئے تھے، ان سے پہلو بچا کر اس مقصد کے لئے اجتماعی جدوجہد شروع کی جائے جس کے لئے جماعت اسلامی قائم ہوئی تھی ــــ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ــــ" (تذکرہ و تبصرہ 'میثاق' لاہور بابت اگست ۱۹۶۶ء)

اس کے نتیجے میں بحمد اللہ "معتزلینِ جماعت اسلامی" کے حلقے میں واقعی ہلچل پیدا ہو گئی جس کے باعث پہلے "قرار دادِ رحیم آباد" منصۂ شہود پر آئی اور پھر "اجتماعِ رحیم یار خان" منعقد ہوا ــــ اور ساتھ ہی احباب اور بزرگوں کی جانب سے ایک زور دار تقاضا ہوا کہ اب جبکہ ہم ایک مثبت تعمیر کی جانب پیش قدمی کر رہے ہیں پرانی تلخیوں کی یاد تازہ نہ کی جائے۔ تو اگرچہ میرا ذہن اسے تسلیم نہیں کرتا تھا لیکن میں نے بزرگوں کی بات تسلیم کرتے ہوئے قلم روک دیا!

وہ دن اور آج کا دن، یہ داستان جو پہلے ہی دس سال پرانی ہو چکی تھی دنوں، مہینوں اور سالوں کے بوجھ تلے مزید دبتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اب اس پر پورے تینتیس ۳۳ سال بیت چکے ہیں، اور حقائق و واقعات پر ثلث صدی کا دبیز پردہ پڑ چکا ہے۔

ان حالات میں اگر اب اس دور کے واقعات کو محض حافظے اور یادداشت کی بنیاد پر تحریر کرنے کی کوشش کی جائے تو اس میں یقیناً ذہول اور نسیان کی بنا پر بہت سی غلطیوں کا احتمال ہے۔ غنیمت ہے کہ 'نقشِ غزل' کی پانچ قسطیں ۶۷-۱۹۶۶ء میں شائع

ہو گئی تھیں جب اس المیے کے سارے کردار بقید حیات تھے - خصوصاً مولانا مودودی نہ صرف یہ کہ زندہ تھے بلکہ پوری طرح چاق و چوبند تھے - اور جماعت اسلامی کی قیادت کی ذمہ داری بھر پور طور پر ادا کر رہے تھے - لہٰذا اگر 'نقض غزل' کی کسی بات کی تردید نہ انہوں نے کی نہ کسی اور نے' جیسے کہ واقعہ ہے' تو یہ اس کے مشمولات کے مستند (Authentic) ہونے کی دلیل قاطع ہے - ویسے بھی اس میں اصل اہمیت کی حامل تو چند دستاویزات ہیں جن میں کسی کمی بیشی کا کوئی احتمال سرے سے موجود ہی نہیں ہے -

---

اس دوران میں کئی بار خیال آیا کہ تاریخ کی یہ امانت ادا کر ہی دی جائے' اور تاریخِ جماعت اسلامی کے اس 'تاریک باب' کو منظر عام پر لے ہی آیا جائے خصوصاً جب ان واقعات و حوادث کو گزرے پورے تیس برس ہو گئے اور اتفاق سے یہ وہی دن تھے جب اخبارات میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی کتاب کے اُن 'منجمد' (Sealed) اوراق کی 'رہائی' (Release) کا چرچا ہو رہا تھا جن کی اشاعت تیس سال کے لئے مؤخر کر دی گئی تھی تب تو یہ داعیہ شدت کے ساتھ پیدا ہوا کہ اب ان دستاویزات کو بھی 'رہا' کر ہی دیا جائے - چنانچہ تقریباً دو سال قبل اس کا حتمی فیصلہ کر بھی لیا گیا تھا' مگر بعض اسباب کی بنا پر معاملہ پھر التوا میں پڑ گیا - اسی طرح لگ بھگ ایک سال قبل تو نہ صرف یہ کہ دوبارہ فیصلہ ہو گیا بلکہ اس کا اعلان بھی کر دیا گیا لیکن اللہ کی مشیت پھر آڑے آ گئی - یہ اعلان اور اس کا پس منظر 'میثاق' بابت فروری ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا تھا' جو من و عن درج ذیل ہے:

"جدہ میں ایک مفصل ملاقات برنی برادران سے بھی ہوئی جس کا ذکر ایک خاص اعتبار سے ضروری ہے - یہ دونوں بھائی' ڈاکٹر شجاعت حسین برنی اور ڈاکٹر فرحت حسین برنی' جدید فنی تعلیم کی اعلیٰ ترین ڈگریاں رکھنے کے ساتھ ساتھ (ڈاکٹر شجاعت معالجۂ امراضِ نفسیاتی میں ڈاکٹریٹ کے حامل ہیں اور ڈاکٹر فرحت انجنیئرنگ میں) نہایت نیک طبیعت اور گہرے مذہبی مزاج کے حامل ہیں' ــــــــــ اور دونوں ہی نے نہایت قلیل مدت میں قرآن مجید کے ساتھ گہرے شغف کے علاوہ درس قرآن کی عمدہ صلاحیت حاصل کر لی ہے!

ان میں سے فرحت صاحب کی جماعت اسلامی کی تحریک کے ساتھ وابستگی نہایت گہری اور

جذباتی ہے' ــــــــــ اور وہ غالباً اس وقت جماعت کے جدہ کے حلقے کے سربراہ ہیں!

انہوں نے اثناءِ گفتگو میں نہایت حسرت کے ساتھ کہا کہ آپ کو جماعت اسلامی سے علیحدہ ہر گز نہیں ہونا چاہئے تھا! اور جب میں نے عرض کیا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ خود علیحدہ نہیں ہوئے تھے' ــــــــــ بلکہ ہمیں جبراً علیحدہ کیا گیا تھا اور حالات ایسے پیدا کر دئے گئے تھے کہ اگر ہم جماعت سے علیحدہ نہ ہوتے تو ہماری معنوی موت واقع ہو جاتی' اس لئے کہ اجتماعِ ماچھی گوٹھ (فروری ۱۹۵۷ء) میں طے یہ پایا تھا کہ جو لوگ جماعت کی موجودہ پالیسی سے اختلاف رکھتے ہوں وہ اپنی رائے کا اظہار نہ تحریری طور پر کر سکتے ہیں ــــــــــ نہ زبانی طور پر ــــــــــ انہیں صرف جماعت کے کُل پاکستان اجتماعِ ارکان میں اظہار رائے کا حق حاصل ہو گا ــــــــــ اس کے علاوہ نہ وہ جماعت کے مقامی یا حلقہ وار اجتماعات میں اپنی رائے کا اظہار کر سکیں گے نہ ارکان جماعت سے نجی گفتگوؤں میں! ــــــــــ اور ارکان کے کُل پاکستان اجتماع کے بارے میں نہ یہ یقینی ہوتا ہے کہ وہ کتنے وقفے کے بعد ہو سکے گا' نہ ہی اس میں کسی اختلافی نقطۂ نظر کو تفصیلاً پیش کرنے کا موقع یا محل ہوتا ہے! ــــــــــ گویا جماعت اسلامی میں اظہار رائے کی آزادی ہاتھی کے اُن دانتوں کے مانند ہے جو دیکھنے میں تو بہت بڑے بڑے نظر آتے ہیں لیکن کھانے کے کام نہیں آسکتے!!

اس پر جس حیرت اور تعجب کا اظہار برنی صاحب نے کیا اس پر خیال آیا کہ جماعت اسلامی کی تاریخ کے اس گمشدہ باب کو اب منظر عام پر لے ہی آنا چاہئے جو ۵۶ء تا ۵۸ء کے واقعات پر مشتمل ہے اور جس کا ایک اہم حصہ راقم نے بائیس سال قبل ۶۷۔۶۶ء میں 'نقضِ غزل' کے عنوان سے تحریر بھی کر دیا تھا اس لئے کہ اس کے بغیر جماعت کے بہی خواہوں پر ہمارا موقف صحیح طور پر واضح نہیں ہو سکتا ــــــــــ اور ویسے بھی ان حوادث پر اب تیس سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے ــــــــــ اور اتنے عرصے کے بعد تو دنیا میں حساس ترین دستاویزات کو بھی شائع کر دیا جاتا ہے ــــــــــ تاکہ حقائق و واقعات کا علم صفحہ ہستی سے بالکل گم ہی نہ ہو جائے اور بعد میں آنے والے لوگ ماضی کے حوادث کے بارے میں صحیح رائے قائم کر سکیں اور مستقبل کے بارے میں صحیح فیصلے کر سکیں ــــــــــ اس پر یہ بھی یاد آیا کہ یہ فیصلہ ہم نے تقریباً ایک سال قبل کر بھی لیا تھا لیکن پھر دوسری مصروفیات مانع ہوتی رہیں۔

بہر حال اب قارئینِ 'میثاق' نوٹ فرمالیں کہ 'میثاق' کی آئندہ اشاعت بابت مارچ

۸۹ء میں 'نقض غزل' کی وہ پانچ قسطیں یکجا شائع کر دی جائیں گی جو ۶۷ـ۶۶ء میں شائع ہوئی تھیں اور انشاء اللہ اپریل کے پرچے میں اس کی تکمیل کر دی جائے گی۔ واللہ الموفق والمستعان!"۔

اتنے حتمی وعدے کی تعمیل جس سبب سے نہ ہو سکی وہ یہ تھا کہ قریبی رفقاء کا اصرار تھا کہ اس مضمون کو قسط وار شائع کرنے کی بجائے یکمشت کتابی صورت میں شائع کیا جائے' اور اس کے لئے جو فرصت اور یکسوئی درکار تھی وہ کسی صورت میسر نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ معاملہ لیت و لعل ہی میں تھا کہ اچانک ہفت روزہ 'آئین' نے مشکل حل کر دی۔ کہ ایک جانب تو مولانا مودودی مرحوم کی وہ مبینہ تقریر شائع کر دی جس سے مولانا کا پورا فلسفۂ قیادت و امارت ان کے اپنے الفاظ میں سامنے آ گیا اور اس طرح راقم کو وہ گوہرِ مقصود حاصل ہو گیا جس کی وہ ایک عرصے سے تلاش میں تھا (یہ تقریر یا تحریر گزشتہ "میثاق" میں اس وعدے کے ساتھ شائع کی جا چکی ہے کہ اس پر 'محاکمہ' ہم بعد میں کریں گے چنانچہ انشاء اللہ اسی 'نقض غزل' کے ضمن میں یہ وعدہ بھی جلد پورا کر دیا جائے گا)------اور دوسری جانب جماعت سے علیحدہ ہونے والوں' بالخصوص راقم کی ذات پر نہایت رکیک حملہ کر کے شدید تقاضا پیدا کر دیا کہ صحیح حقائق کو بلا تاخیر سامنے لایا جائے۔ بصورت دیگر لوگ یہ باور کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہم نے ان کے عائد کردہ الزامات کو درست تسلیم کر لیا ہے۔ بنابریں قریبی رفقاء کی رائے بھی بدل گئی جس کے نتیجے میں 'نقض غزل' کا حصہ اول پیش خدمت ہے' (حصہ دوم بھی ان شاءاللہ اگلے ہی ماہ سامنے آ جائے گا۔)

ان مضامین میں' جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اصل اہمیت تو بعض 'دستاویزات' کی ہے' تاہم انہیں ایک مسلسل اور مربوط تحریر کی صورت دینے کے لئے گاہ بگاہ راقم کے ذاتی تجزئے اور تبصرے بھی آ گئے ہیں جن کا لہجہ بالعموم تلخ اور درشت ہے۔ اس لئے کہ یہ میری اُس دور کی تحریریں ہیں جب مجھ پر مولانا مودودی کے بارے میں تلخی کا رنگ غالب تھا۔ اپنی اُس دور کی بعض دوسری تحریروں کو جب راقم نے ۱۹۸۳ء میں کتابی صورت میں شائع کیا تھا تو بعض وضاحتیں دیباچہ میں درج کی تھیں۔ ان کا ضروری

حصہ یہاں نقل کیا جارہا ہے:

"پیش نظر مجموعے کی اشاعت سے قبل جب میں نے اپنی آج سے پندرہ سولہ سال قبل کی ان تحریروں کا جائزہ تنقیدی نگاہ سے لیا تو الحمد للہ کہ اس امر کا تو پورا اطمینان ہوا کہ ان میں حالات و واقعات کا جو تجزیہ سامنے آیا ہے وہ صد فی صد درست ہے۔ البتہ یہ احساس ضرور ہوا کہ ان میں بعض مقامات پر طرزِ تعبیر اور اندازِ تحریر میں تلخی شامل ہو گئی ہے، جو نہ ہوتی تو بہتر تھا۔۔۔ گویا اگر میں ان موضوعات پر آج قلم اٹھاؤں تو تجزیہ تو بنیادی طور پر وہی ہو گا لیکن انداز اتنا تلخ نہ ہو گا۔

لیکن اب ان تحریروں سے اس تلخی کو نکالنا نہ ممکن ہے نہ مناسب۔۔۔ ممکن اس لئے نہیں کہ وہ ان کے پورے تانے بانے میں بُنی ہوئی ہے، اور مناسب یا درست اس لئے نہیں کہ پرانی تحریروں کو اگر پرانی تحریروں ہی کی حیثیت سے شائع کیا جائے تو ان میں ردّ و بدل تصنیف و تالیف کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اگر صاحبِ تحریر کی رائے میں بعد میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو تو اسے اضافی حواشی کی صورت میں درج ہونا چاہئے یا علیحدہ وضاحت کی شکل میں!

اس ضمن میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کا معاملہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے کہ ان کے ساتھ میرے ذہنی و قلبی تعلق میں اتار چڑھاؤ کی کیفیت شدّت کے ساتھ واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کا آغاز شدید ذہنی و فکری مرعوبیت اور گہری قلبی محبت و عقیدت کے ساتھ ہوا، جس میں ذاتی احسان مندی کا عنصر بھی شدّت کے ساتھ موجود تھا۔ لیکن پھر جب اختلاف پیدا ہوا تو وہ بھی اتنا ہی شدید تھا اور اس کے نتیجے میں طویل عرصے تک مایوسی ہی نہیں شدید بیزاری کی کیفیت قلب و ذہن پر طاری رہی، لیکن آخر کار اس پر افسوس، ہمدردی اور حسرت کا رنگ غالب آ گیا اور قلب کی گہرائیوں میں کم از کم احسان مندی کے احساسات بتمام و کمال عود کر آئے۔

میری پیش نظر تحریریں چونکہ ان تین ادوار میں سے درمیانی دور سے تعلق رکھتی ہیں لہٰذا ان میں تلخی کا رنگ بہت نمایاں ہے جس کے لئے میں مولانا مرحوم کے تمام محبین و معتقدین سے بھی معذرت خواہ ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اگر ۱۹۷۹ء میں امریکہ میں مولانا سے میری وہ ملاقات ہو جاتی جس کی ایک شدید خواہش لئے ہوئے

میں وہاں گیا تھا تو میں ان سے بھی معافی حاصل کر لیتا ـــــ اس لئے کہ اسی زمانے کے لگ بھگ مجھے ایک اطلاع ایسی ملی تھی جس سے پورا اندازہ ہو گیا تھا کہ مولانا کے دل میں میری جانب سے کوئی تکدّر یا رنج نہیں ہے"۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی تالیف: "اسلام اور پاکستان")

اس سلسلۂ مضامین میں بہت سے ایسے حضرات کا ذکر بھی آ رہا ہے جو اس عرصے کے دوران اس عالمِ فانی سے رحلت فرما چکے ہیں' اللہ تعالےٰ ان کی' اور ہماری' اور جملہ مسلمانوں کی خطاؤں سے در گذر فرمائے اور سب کو اپنی رحمت و مغفرت کے سائے میں جگہ مرحمت فرمائے!

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَ شَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَ ذَکَرِنَا وَاُنْثٰنَا ـــــ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ، اٰمین!

شمالی امریکہ میں رہائش پذیر حضرات

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

کے دروس و خطبات پر مبنی

کیسٹیں (Cassettes)، کتب اور دیگر معلومات

کے لئے شکاگو کے نواح میں واقع درج ذیل آفس سے رابطہ کریں۔

Society of the Servants of Al Quran,
4112, Fairview Ave, Suite 203,
Downers Grove, Ill.60515,
(708-512-0417)

نوٹ: روزانہ صبح ۸ تا شام ۴ بجے تک رابطہ کیا جا سکتا ہے (ماسوائے تعطیلات)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

اے ہمارے رب، اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو (ان گناہوں پر) ہماری گرفت نہ فرما۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

اور اے ہمارے رب، ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے اُن لوگوں پر ڈالا

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

اور اے ہمارے رب، ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوا جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما، اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر دے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد
بھگوان سٹریٹ
پرانی انارکلی لاہور

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا

نقضِ غزل

حصّۂ اوّل

یعنی

جائزہ کمیٹی سے ماچھی گوٹھ تک

النّحل: ۹۲

اور اس عورت کے مانند نہ بن جاؤ جس نے مضبوطی سے
کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا—!

"یہ مضمون دراصل راقم الحروف کی تالیف "تحریک جماعت اسلامی" کے ایک باب کے طور پر لکھا گیا تھا اور اس کی کتابت بھی ہو گئی تھی لیکن بعد میں اس خیال سے اسے روک لیا گیا کہ اس طرح ایک تو کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جائے گی اور دوسرے قاری کا ذہن خالص اصولی اور نظریاتی بحث سے ہٹ کر ان افسوس ناک اور پیچ در پیچ واقعات میں الجھ کر رہ جائے گا جو جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کے پیش ہونے کے بعد جماعت اسلامی کے حلقے میں رونما ہوئے۔ چنانچہ کتاب کے آخر میں صرف اس پر اکتفا کیا گیا کہ وہ قرارداد بھی ضمیمے میں شامل کر دی گئی جو جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پر جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ نے پاس کی تھی اور وہ قرارداد بھی درج کر دی گئی جو شوریٰ کی اس قرارداد کو منسوخ کر کے جماعت کے کل پاکستان اجتماعِ ارکان منعقدہ ماچھی گوٹھ فروری ۱۹۵۷ء نے پاس کی۔

ان دونوں قراردادوں کے مابین جو واقعات وحوادث جماعت اسلامی پاکستان کے حلقے میں پیش آئے وہ اس اعتبار سے نہایت اہم ہیں کہ ان ہی کی وجہ سے جماعت ایک خطرناک انتشار سے دوچار ہوئی اور اس کے رہنماؤں اور کارکنوں کی ایک بڑی تعداد جماعت سے مستعفی ہونے پر مجبور ہو گئی، جس سے پاکستان کی تحریکِ اسلامی کا وقار بری طرح مجروح ہوا۔ چونکہ جماعت کا یہ انتشار تاحال جماعت کے اکثر وبیشتر ارکان ومتفقین کیلئے بھی ایک معمہ ہی ہے اور ملک اور بیرونِ ملک کے ان لوگوں کیلئے بھی ایک ناقابلِ فہم مسئلہ بنا ہوا ہے جو اس ملک میں اسلام کے مستقبل سے دلچسپی رکھتے ہیں لہٰذا اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اس اصولی اور نظریاتی بحث کے ساتھ ساتھ جو وضاحت کے ساتھ پیش کی جا چکی ہے ان واقعات کو بھی سلسلہ وار ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا جائے جن کی وجہ سے جماعت کے بہت سے رہنما اور کارکن جماعت کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ــــ ذیل کا مضمون اس سلسلے کی پہلی قسط ہے۔"

باب اوّل

جائزہ کمیٹی کی رپورٹ

اور اس کے خلاف

مولانا مودودی کی چارج شیٹ

راقم الحروف نے جو بیان جائزہ کمیٹی کی خدمت میں پیش کیا تھا، وہ کمیٹی کو پیش کیے جانے والے تحریری بیانوں میں سب سے زیادہ طویل تھا اور اس کی دوسری امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ جبکہ دوسرے اکثر زبانی و تحریری بیان زیادہ تر جماعت اسلامی کے ارکان و متفقین اور خصوصاً اس کے ہمہ وقتی کارکنوں کی دینی و اخلاقی حالت اور دیانت و تقویٰ کے منافی واقعات و معاملات سے بحث کرتے تھے، وہاں اس بیان میں جماعت کی پالیسی پر اصولی تنقید اور اس کے موقف کے بارے میں اصولی بحث کی گئی تھی ــــ اس طرح اس بیان نے اس دینی و اخلاقی گراوٹ و انحطاط کی منطقی توجیہہ پیش کر دی جس کی تفصیل دوسرے تحریری بیانوں میں درج تھی اور جس کا تذکرہ جماعت اسلامی کے بے شمار ارکان نے جائزہ کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر زبانی گفتگوؤں میں انتہائی دردمندی اور پریشانی کے ساتھ کیا تھا ــــ گویا کہ جبکہ دوسرے زبانی و تحریری بیان جماعت کے امراض کی علامات سے بحث کرتے تھے وہاں اس بیان نے ان امراض کی تشخیص پیش کر دی اور ان اسباب و عوامل کی نشاندہی کر دی جن سے ان امراض نے جنم لیا تھا اور تقویت پائی تھی۔

جائزہ کمیٹی کے بزرگ رکن مولانا عبدالجبار غازی صاحب[1] نے بعد میں ایک موقع پر مجھے

---

[1] اب عرصہ ہوا کہ اللہ کے جوارِ رحمت میں پہنچ چکے ہیں۔

بتایا کہ "تمہارا بیان پڑھ کر میں نے اپنی نوٹ بک میں یہ الفاظ درج کئے تھے کہ ــــــــــ
"حیرت ہوتی ہے کہ یہ نوجوان جو ہمارے مقابلے میں جماعت اسلامی میں ایک بالکل نووارد کی حیثیت رکھتا ہے اور جسے حالات وواقعات کا علم بہت کم ہے محض لٹریچر کے منطقی تجزیئے سے ان نتائج تک پہنچ گیا ہے جن تک ہم بوڑھوں کی رسائی تمام حالات وواقعات کے بچشم سر مشاہدے سے ہوئی ہے....."

کمیٹی کے ایک دوسرے رکن شیخ سلطان احمد صاحب نے اس بیان کے طریقِ استدلال کا ایک خلاصہ تیار کیا' تاکہ فوری حوالے کے کام آسکے۔ شیخ صاحب موصوف ہی نے مجھے ان بعض مقامات کی اصلاح کی جانب بھی متوجہ کیا جہاں شدتِ جذبات میں سخت الفاظ استعمال ہو گئے تھے' چنانچہ میں نے ایسے سخت الفاظ اور جملوں کو قلم زد کر دیا جن سے دلآزاری ہو سکتی تھی اور اصلاح کے بجائے ضد اور ہٹ دھرمی کے پیدا ہو جانے کا امکان تھا۔ کمیٹی کے کنوینر حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اور اس کے چوتھے رکن مولانا عبدالغفار حسن صاحب نے بھی منجملہ اس بیان کو پسند فرمایا اور اس محنت پر مجھے داد دی جو میں نے دو ہفتے کے مختصر وقفے میں اس بیان کے تحریر کرنے پر صرف کی تھی۔

رپورٹ جائزہ کمیٹی..... جائزہ کمیٹی نے پورے ملک کا دورہ کرنے اور ان ارکان سے ملاقات کے بعد جو جماعت کی پالیسی اور طریق کار یا اس کے نظم ونسق اور دستور سے متعلق اپنا نقطہ نظر کمیٹی کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے، کچھ عرصہ اس پورے مواد کو مرتّب کرنے میں صرف کیا اور بالآخر ایک جامع رپورٹ وسط نومبر ۱۹۵۶ء میں امیر جماعت کی خدمت میں پیش کر دی۔

یہ رپورٹ تاحال جماعت اسلامی پاکستان کا ایک اعلیٰ سطح کا راز (TOP LEVEL SECRET) ہے۔ ایک رکن شوریٰ کے ان الفاظ سے کہ "دراصل جائزہ کمیٹی نے پوری جماعت میں جھاڑو پھیر کر اس کا سارا گند جمع کیا ہے اور اس غلاظت کے ڈھیر کو اس رپورٹ کی شکل میں پیش کر دیا ہے"۔ کسی حد تک اس رپورٹ کے مواد کے بارے میں اندازہ ہو سکتا ہے اور اگرچہ ان ہی رکن شوریٰ نے یہ کہہ کر "میں دعوے سے کہتا ہوں کہ دورِ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) میں بھی کوئی ایسی جائزہ کمیٹی مقرر کی جاتی تو وہ اس سے بھی زیادہ گند اموا د جمع کر کے پیش کر سکتی تھی" اپنے آپ کو اور اپنی طرز پر سوچنے

والے دوسرے لوگوں کو اطمینان دلانے کی کوشش کی۔ لیکن اس مواد سے جس طرح کا لرزہ جماعت کے اربابِ حل وعقد پر طاری ہو گیا تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس کے موقع پر اس رپورٹ کی نقول ارکانِ شوریٰ کو دی گئیں تو ان کو انتہائی تاکید کے ساتھ ہدایت کی گئی کہ اس کی یا اس کے کسی حصے کی نقل شوریٰ سے باہر نہ جانے پائے اور جب ایک موقع پر ایک رکنِ شوریٰ نے انتہائی سراسیمگی کے عالم میں اعلان کیا کہ ان کا نسخہ غائب ہو گیا ہے تو پوری شوریٰ پر سنسنی طاری ہو گئی اور ایک کھلبلی سی مچ گئی اور اطمینان کا سانس اس وقت تک نہ لیا جاسکا جب تک یہ معلوم نہ ہو گیا کہ ان صاحب کا نسخہ گم نہیں ہوا بلکہ وہیں کہیں کاغذوں میں اِدھر اُدھر ہو گیا تھا اور محض گھبراہٹ کی وجہ سے مل نہیں رہا تھا۔

اجلاس مرکزی مجلس شوریٰ..... جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس جو ۲۵ر نومبر سے ۱۰ر دسمبر ۱۹۵۶ء تک تقریباً دو ہفتے جاری رہا، جماعت کی تاریخ میں ایک اہم واقعے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اجلاس میں مجلس شوریٰ کے تمام فعّال اور با اثر اراکین واضح طور پر دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ جماعتِ اسلامی غلط رخ پر بڑھ آئی ہے۔ ۴۷ء میں طریق کار میں جو تبدیلی کی گئی تھی وہ اصولاً اور مصلحتاً دونوں ہی اعتبار سے غلط تھی اور اب خیریت اسی میں ہے کہ فوراً اس سے رجوع کیا جائے اور "اوپر سے نیچے" انقلاب لانے کے خواب دیکھنا چھوڑ کر پھر وہی "نیچے سے اوپر" کی طرف تبدیلی لانے کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اور دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ یہ فیصلہ جماعتِ اسلامی کے حق میں مہلک ثابت ہو گا۔ جماعت کو اسی موجودہ طریقِ کار پر کاربند رہنا چاہئے۔ خرابیاں اوّل تو اتنی نہیں ہیں جتنی کہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ سے معلوم ہوتی ہیں اور جتنی ہیں وہ فطری ہیں اور انسانی تاریخ میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں یہ خرابیاں نہ پائی جاتی ہوں۔ حتیٰ کہ عین دورِ صحابہؓ میں بھی اگر کوئی جائزہ کمیٹی اس طرز سے "جائزہ" لیتی تو ایسا ہی نہیں اس سے بھی کہیں زیادہ غلیظ مواد جمع کر سکتی تھی۔ پہلے خیال کے پیش کرنے والوں میں سب سے زیادہ نمایاں حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب تھے اور ان کے علاوہ عبدالغفار حسن صاحب اور شیخ سلطان احمد صاحب نے اس خیال کی تائید میں بڑی مؤثر اور دردانگیز تقریریں کیں۔ دوسری جانب کے خطیبِ اعظم جناب نعیم صدیقی تھے۔

مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے بظاہر اپنے آپ کو "بزرگانِ

جماعت" کی حیثیت سے اس بحث سے بالاتر رکھا لیکن مولانا امین احسن صاحب کے بارے میں یہ بات بالکل ظاہر تھی کہ وہ پہلے گروہ سے اتفاق رکھتے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے راقم الحروف کے بیان کو پڑھا تو اس کو بہت سراہا اور تمام اراکین شوریٰ کو بشمول امیر جماعت یہ مشورہ دیا کہ وہ اس بیان کو ضرور پڑھیں۔ مولانا کے الفاظ کچھ اس طرح کے تھے۔

"اگرچہ اس شخص (راقم الحروف) نے خود مجھ پر بہت سخت تنقید کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجھے اس سے خوشی ہی ہوئی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمام اراکین شوریٰ اس بیان کو پڑھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس شخص نے ہماری ہی تحریروں سے مرتب کر کے ایک آئینہ ہماری نگاہوں کے سامنے لا رکھا ہے جس میں ہم اپنی موجودہ صورت دیکھ سکتے ہیں"۔

مولانا مودودی صاحب نے اگرچہ براہِ راست بحث میں کوئی حصہ نہیں لیا اور چند باتیں کہیں تو بھی اس انداز سے کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ پہلو بھی نگاہوں کے سامنے آ جائیں ورنہ یہ میری پختہ اور طے شدہ آرا نہیں ہیں۔ لیکن جائزہ کمیٹی کی رپورٹ سے ان کی ناگواری اور اس پوری بحث سے جو انقباض ان کو ہو رہا تھا، وہ ان کے بشرے سے بالکل ظاہر تھا اور اس کا ہلکا سا اظہار انہوں نے اس طرح کر بھی دیا کہ امارتِ جماعت سے استعفاء اس بنا پر پیش کر دیا کہ چونکہ اس رپورٹ میں مجھ پر ذاتی طور پر بہت تنقید ہوئی ہے اور الزامات لگائے گئے ہیں، لہٰذا میں امارت سے مستعفی ہوتا ہوں تاکہ اس رپورٹ پر غور وخوض میری زیرِ صدارت نہ ہو۔ لیکن ان کے اس خیال کی پوری شوریٰ نے متفقہ طور پر تردید کر دی اور کہا کہ یہاں غالباً کوئی ایک شخص بھی ایسا موجود نہیں ہے جو اس رپورٹ یا اس سے ملحقہ بیانات میں ہدفِ تنقید و ملامت نہ بنا ہو لہٰذا اس کی کوئی حاجت نہیں کہ کوئی ایک شخص اپنے منصب سے مستعفی ہو۔

جماعت کے تیسرے بزرگ رکن مولانا عبدالجبار غازی صاحب نے بحث میں تفصیلی حصہ لینے کے بجائے انتہائی جذباتی انداز میں مولانا مودودی صاحب کو وہ کیفیات یاد دلائیں جو جماعت کے قیام کے وقت دلوں میں پائی جاتی تھیں اور مولانا سے درخواست کی کہ اب بھی وقت ہے کہ اصلاح کر لی جائے اور اسی اعتماد اور اتحاد کی فضا کو پیدا کر کے از سرِ نو اسی جذبے اور ولولے کے ساتھ تحریک اسلامی کی تجدید کی جائے۔ غازی صاحب پر شوریٰ کی اس صورت حال نے کہ وہ دو متحارب گروہوں میں بٹ گئی تھی، بہت برا جذباتی اثر ڈالا۔ چنانچہ دورانِ

اجلاس ان پر قلب کا دورہ پڑا اور وہ صاحب فراش ہو گئے اور بقیہ اجلاس میں شرکت نہیں کر سکے۔

شوریٰ کے دونوں متضاد اور متحارب گروپوں کا اختلاف انتہا (CLIMAX) پر پہنچ گیا تو پھر ایک ردِ عمل پیدا ہوا' اور اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ دونوں انتہاؤں کو چھوڑ کر اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ چنانچہ "مصالحت" کی کوششیں شروع ہو گئیں اور بہت کچھ ردّوقدح اور کسر وانکسار کے بعد ایک قرارداد پر "اتفاق" ہو گیا جس کے الفاظ درجِ ذیل ہیں۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلس شوریٰ جماعتِ اسلامی پاکستان دو ہفتوں کے مسلسل غور وخوض کے بعد ان تمام مسائل ومعاملات کے متعلق جو جماعت کے پچھلے کام' آئندہ لائحہ عمل اور عام حالات کے بارے میں جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کے ذریعہ سے زیر بحث آئے تھے ، حسب ذیل نتائج پر پہنچی ہے۔

(۱) ..... جماعت نے تقسیم ملک سے پہلے اور بعد اب تک جو کام کیا ہے اس کے متعلق مجلس شوریٰ اس بات پر مطمئن ہے کہ جماعت اپنے اصول' مسلک اور بنیادی پالیسی سے منحرف نہیں ہوئی ہے۔ البتہ تدابیر کے صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں اور صحیح قرار دینے کی صورت میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مفید نتائج کے ساتھ بعض مضر نتائج بھی بر آمد ہوئے ہیں۔ جنہیں رفع کرنے کی ہم سب کو کوشش کرنی چاہئے۔

(۲) ..... مجلس شوریٰ کی رائے میں جو لائحہ عمل ۱۹۵۱ء کے اجتماع عام منعقدہ کراچی میں پیش کیا گیا تھا اور جو اب تک جماعت اسلامی کا لائحہ عمل ہے' وہ اصولاً بالکل درست ہے اس کو برقرار رہنا چاہئے۔ لیکن مجلس شوریٰ یہ محسوس کرتی ہے کہ دستورِ اسلامی کی پیہم جدوجہد کی وجہ سے لائحہ عمل کے پہلے تین اجزاء کے لئے خاطر خواہ کام نہیں ہو سکا ہے اور اس کے باعث ہمارے بنیادی کام میں بہت بڑی کسر رہ گئی ہے اس لئے مجلس کی متفقہ رائے یہ ہے کہ جماعت کی بنیادی دعوت اور لائحہ عمل کے پہلے تین اجزاء کی طرف اب پوری توجہ اور کوشش صرف کرنے کی ضرورت ہے اور اس بنا پر سردست کسی انتخابی مہم کے لئے کام کرنا قبل

ازوقت ہو گا۔ البتہ اسلامی اقدار کے قیام و بقاء اور دستور اسلامی کے تحفظ' اصلاح اور نفاذ کے لئے ناگزیر اقدامات سے دریغ نہ ہونا چاہئے۔

(۳) ..... مجلس کی رائے میں نظامِ جماعت کے اندر اصل حجت کتاب و سنت ہے اور اس کے بعد آئینی سند ہونے کی حیثیت جماعتی لٹریچر کی عبارات کو نہیں بلکہ دستور جماعت اور ان جماعتی فیصلوں کو حاصل ہے جو دستور کے مطابق جماعت کے مجاز اداروں (امارت' مجلسِ شوریٰ اور ارکان کے اجتماع عام) نے کئے ہوں۔ البتہ لٹریچر ایک مستقل ذریعۂ دعوت ہے اور رہے گا۔ اگر جماعتی فیصلوں میں کوئی چیز لٹریچر کے کسی مضمون سے مختلف پائی جائے تو وہ یا تو اس مضمون کی ناسخ ہو گی یا اس مضمون کے وہی معنی معتبر ہوں گے جو جماعتی فیصلوں کے مطابق ہوں۔

(۴) ..... جائزہ کمیٹی کے ذریعہ سے جماعت کے جو اصلاح طلب حالات و معاملات مجلس کے سامنے آئے ہیں ان کے حقیقی اسباب تشخص کرنے اور ان کی اصلاح کے لئے مناسب تدابیر تجویز کرنے کا کام ایک مجلس کے سپرد کر دیا گیا ہے جو امیر جماعت' مولانا امین احسن صاحب' چودھری غلام محمد صاحب اور نعیم صدیقی صاحب پر مشتمل ہو گی۔ علاوہ بریں جائزہ کے دوران میں جن متعین واقعات کی نشان دہی مختلف مقامات پر جائزہ کمیٹی کے سامنے کی گئی ہے' ان کی تحقیقات اور اصلاح کے لئے مجلس شوریٰ نے مناسب طریقہ تجویز کر دیا ہے جس کے مطابق حتی الامکان جلدی کارروائی کی جائے گی"۔

یہ قرارداد ایک مصالحتی فارمولا تھی جو محض اس خوف کے منفی محرک سے معرض وجود میں آئی تھی کہ اگر کچھ لے اور دے یعنی (GIVE AND TAKE) کے اصول کے تحت "صلح" نہ کی گئی تو جماعتِ اسلامی کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ اس میں ایک طرف اس خطرے کا سدباب کیا گیا کہ اگر یہ اعتراف کر لیا گیا کہ ہم نو دس سال ایک غلط راستے پر چلتے رہے ہیں تو نہ صرف یہ کہ جماعت کے کارکنوں کی ہمت شکنی ہو گی اور ان میں کام کرنے کا جذبہ باقی نہ رہے گا، بلکہ جماعت کی قیادت پر سے ان کا اعتماد بالکل اٹھ جائے گا اور اس کا وہ وقار باقی نہیں رہے گا جو نظمِ جماعت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ "تدابیر کے

صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں دورایوں " کے امکان کو تسلیم کرنے اور "بعض مضر نتائج" کے بر آمد ہونے کے اقرار کے ساتھ ساتھ کارکنانِ جماعت کو اطمینان دلایا گیا کہ " جماعت اپنے اصول 'مسلک اور بنیادی پالیسی سے منحرف نہیں ہوئی ہے "۔

دوسری طرف جماعت کی بعد از تقسیم کی پالیسی میں نہ صرف یہ کہ "عدم توازن" کا اقرار کیا گیا جس کی بناپر جماعت کے "بنیادی کام میں بڑی کسر رہ گئی ہے"۔۔۔ بلکہ عملاً اس طریق کار کے ایک ستون یعنی "انقلابِ قیادت بذریعہ انتخابات" کو بالکل ہی منہدم کر دیا گیا اور دوسرے ستون یعنی " دستور اسلامی کے تحفظ' اصلاح اور نفاذ" کے لئے بھی بس "ناگزیر" اقدامات کی اجازت برقرار رکھی گئی۔

اس طرح یہ قرارداد ایک پیچیدہ مصالحتی فارمولا بن گئی جو اپنے الفاظ اور ان کی ترتیب کے اعتبار سے کسی ذہین مصنف کا شاہکار تو قرار دی جاسکتی تھی لیکن اس سے اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ جماعت کے کارکنوں کو ذہنی اطمینان حاصل ہوتا اور ان کے سامنے اپنے سفر کا رخ اور آئندہ کے طریق کار کا واضح نقشہ آسکتا۔

اس قرارداد پر دستخط ثبت کر کے شوریٰ نے اطمینان کا سانس لیا اور اس طرح بزعم خویش جماعت اسلامی کو انتشار سے بچا کر شوریٰ کے معزز اراکین اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

ردِّ عمل.....!

لیکن جلد ہی شوریٰ کے اس اجلاس کی کارروائی اور اس کی پاس کردہ اس قرارداد کے خلاف ردِّ عمل شروع ہوا۔

ایک طرف اراکینِ شوریٰ اپنے اپنے حلقوں کو لوٹے اور وہاں ارکانِ جماعت نے ان سے قرارداد کی وضاحت طلب کی تو مختلف طرز خیال کے لوگوں نے اپنے نقطۂ نظر سے وضاحت کی اور شوریٰ میں جو واقعی ذہنی انتشار موجود تھا وہ جنگل کی آگ کی طرح جماعت کے بعض حلقوں کے ارکان میں پھیلنا شروع ہو گیا۔

دوسری طرف مولانا مودودی صاحب پر ایک شدید ذہنی اور نفسیاتی ردِّ عمل کے اثرات رونما ہوئے۔ ظاہر بات ہے کہ مولانا موصوف ہی جماعت اسلامی کے مؤسس تھے اور وہی از یوم تاسیس تا امروز اس کے امیر رہے تھے۔ جماعت کی بعد از تقسیم پالیسی کے معمار

(ARCHITECT) بھی خود ہی تھے۔ لہٰذا اس پالیسی کے بارے میں اس فیصلے سے کہ یہ غلط تھی 'ایک طرح سے ان کے فہم و فراست پر حرف آتا تھا اور اس کو برداشت کرنے کے لئے بہت زیادہ ہمت کی ضرورت تھی۔ (وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ) شوریٰ کے اجلاس کے دوران کچھ تو مولانا ہمت قائم کئے رہے اور کچھ شوریٰ کی اکثریت چونکہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ سے شدید متاثر تھی لہٰذا بے بس سے بھی رہے ــــ لیکن اجلاس کے بعد ان کی طبیعت میں ردِ عمل شروع ہوا جس کو ان کے آس پاس جماعت کے مرکزی عملے کے لوگوں نے تقویت پہنچائی۔ درحقیقت یہ مولانا مودودی کے لئے آزمائش کا ایک فیصلہ کن مرحلہ تھا۔ ان کے سامنے دو راستے کھلے تھے :۔

ایک اصلاح کی سواء السبیل 'کہ غلطی کا اعتراف کر کے تلافیٔ مافات کی سعی کی جاتی ــــ اور جلدی میں جو اقدام ۴۷ء میں کر دیا گیا تھا' اس کو غلط تسلیم کر کے از سرِ نو سفر شروع کیا جاتا ــــ اس میں اس تحریک کی خیر بھی تھی اور اسی کا تقاضا وہ "شورائیت" اور "جمہوریت" بھی کرتی تھی جس پر جماعت کے دستور کی بنیاد رکھی گئی تھی کہ اب جبکہ مرکزی مجلس شوریٰ کی ایک واضح اکثریت نے ایک واضح DIRECTIVE دے دیا تھا، مولانا شوریٰ کی رائے کا احترام کرتے اور جماعت کا رخ تبدیل کر دیتے ــــ اگر مولانا ایسا کرتے تو شوریٰ کے وہ اراکین جنہوں نے انہیں اس رخ پر مڑنے پر مجبور کیا تھا، بہرحال ان کے دیرینہ نیازمند اور رفیق کار اور ان ہی کی دعوت پر جمع ہونے والے لوگ تھے۔ اور اس کا کوئی سوال نہ تھا کہ مولانا کے ان سے "شکست" کھانے کا تصور پیدا ہوتا۔

دوسری اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ کی قدیم راہ کہ طریق کار کی تبدیلی کو اپنی ذاتی شکست تصور کر کے "عزت نفس" کے تحفظ کے لئے مرنے مارنے پر تُل جایا جائے۔

بدقسمتی سے مولانا مودودی نے اس دوسری راہ کو اختیار کیا اور آیہ قرآنی وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا کا مصداق بن گئے اور پوری بے رحمی کے ساتھ اس سارے تانے بانے کو تار تار کرنے پر تُل گئے جسے بہت محنت مشقت سے بیس پچیس سال کی محنت سے خود بُنا تھا۔

ارکان جائزہ کمیٹی پر الزامِ سازش .... چنانچہ شوریٰ کے اجلاس کے خاتمے کے بارہ تیرہ دن بعد ہی مولانا مودودی صاحب نے جائزہ کمیٹی کے ارکان کے بارے میں ایک چارج شیٹ مرتب کی اور قیّم جماعت کو ہدایت کی کہ وہ اس کو ارکانِ جائزہ کمیٹی کو بھیج دیں۔

یہ مہلک دستاویز جس نے جماعت اسلامی کو سر سے پیر تک ہلا کر رکھ دیا یہ تھی۔

"مورخہ ۲۳ر دسمبر ۵۶ء

جائزہ کمیٹی کی کارگزاری اور اس کے بعد اس کمیٹی کے اس رویہ پر جو اس نے مجلس شوریٰ میں اختیار کیا خوب غور کرنے کے بعد میں حسب ذیل نتائج پر پہنچا ہوں :۔

۱۔ یہ کمیٹی جسے غیر مطمئن ارکان کے خیالات معلوم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا' دراصل خود غیر مطمئن بلکہ انتہائی غیر مطمئن ارکان پر مشتمل تھی۔ مجلس شوریٰ میں کمیٹی کے ارکان کی تقریروں سے اب یہ بات قطعی طور سے ظاہر ہو چکی ہے کہ ان کے خیالات اور دلائل اور اخذ کردہ نتائج بالکل وہی ہیں یا قریب قریب وہی ہیں جو اس کمیٹی کے سامنے پیش ہونے والے لوگوں میں سب سے زیادہ غیر مطمئن اصحاب کے ہیں۔

۲۔ درحقیقت یہ کسی طرح مناسب نہ تھا کہ ایک ایسی کمیٹی جس کے سپرد اس قدر اہم کام کیا گیا تھا' ایک ہی عنصر اور وہ بھی انتہائی غیر مطمئن عنصر پر مشتمل ہو۔ لیکن چونکہ کمیٹی مقرر کرتے وقت اس کے ارکان کے خیالات کی اس انتہاپسندی اور شدت کا نہ صرف مجھے بلکہ اکثر ارکان شوریٰ کو کوئی اندازہ نہ تھا اس لئے کسی کو اس کی ترکیب کے غلط ہونے کا احساس نہ ہوا۔

۳۔ میں اس کی کوئی وجہ نہیں سمجھ سکا کہ خود اس کمیٹی کے ارکان نے کسی مرحلہ پر بھی آخر یہ کیوں محسوس نہ کیا کہ اس نازک کام کا کلیتہً ان ہی کے سپرد کرنا اور رہنا کس قدر نامناسب ہے۔ یہ تصور کرنا میرے لئے مشکل ہے کہ اس پورے کام کے دوران میں کسی وقت بھی وہ یہ محسوس نہ کر سکے تھے کہ وہ معاملات کو تقریباً ایک ہی نظر سے دیکھ رہے ہیں اور وہ اس بات سے بھی ناواقف تھے کہ مجلس شوریٰ میں تمام لوگوں کا نقطۂ نظر وہ نہیں ہے جو ان کا اپنا ہے۔ میرے نزدیک ان کا یہ اخلاقی فرض تھا کہ مجھے اور مجلس شوریٰ کو معاملہ کی اس نوعیت سے آگاہ کر کے خود اس امر کی ضرورت ظاہر کرتے کہ کمیٹی میں دوسرے نقطۂ نظر کے لوگوں کو بھی شامل ہونا چاہئے۔ مجھے افسوس ہے کہ انہوں نے اس فرض کا نہ احساس کیا نہ اس کو ادا کیا اور نہ مجلس شوریٰ میں اس امر کا اعتراف کیا کہ کمیٹی کی

تشکیل میں یہ بنیادی خامی موجود تھی بلکہ شوریٰ کے اجلاس میں جب کبھی اس خامی کی نشان دہی کرنے کی کوشش کی گئی تو ان کی طرف سے بڑی تلخی کے ساتھ اس کی مزاحمت ہوئی۔

۴۔ میں یہ قطعی رائے رکھتا ہوں کہ جائزہ کمیٹی کے ارکان نے مجلس شوریٰ کے تجویز کردہ حدودِ کار سے تجاوز کیا' خود اپنے حدودِ کار کو وسیع کیا اور ان امور کی تحقیقات اپنے ذمہ لے لی' جن کی وہ خود تحقیقات کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ اگر مجلس شوریٰ کو فی الواقع ان امور کی تحقیقات کرانے کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ کوئی دوسری کمیٹی دوسرے حدودِ کار کے ساتھ اور دوسری ہدایت کے ساتھ مقرر کرتی اور اس کے لئے وہ طریق کار ہرگز اختیار نہ کرتی جو اس کمیٹی نے اختیار کیا۔ میں امیر جماعت ہونے کی حیثیت سے یہ بات بالکل غیر مبہم انداز میں کہتا ہوں کہ کمیٹی کے تقرر کے وقت میرے ذہن میں ہرگز یہ تصور نہ تھا کہ اس نوعیت کی تحقیقات اس کمیٹی کے سپرد کی جارہی ہیں، ورنہ میں یہ کام اس طریقہ سے کرنے کے لئے اس کمیٹی کے تقرر پر راضی نہ ہوتا۔ لیکن مجلس شوریٰ کے اجلاس میں جب میں نے کمیٹی کے کام کی اس دوسری بنیادی خرابی کو بیان کرنے کی کوشش کی تو نہایت تلخ انداز میں اس کی بھی مزاحمت کی گئی بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں میرا منہ بند کرنے کی کوشش کی گئی۔ میں نے اس وقت یہ محسوس کیا کہ یہ حضرات اب مجلس شوریٰ میں ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں جن میں کوئی دوسرا رکنِ شوریٰ تو درکنار خود امیر جماعت بھی اپنی رائے آزادی کے ساتھ ظاہر نہیں کر سکتا۔

۵۔ اس کمیٹی نے ساری تحقیقات بالکل ایک مخصوص نقطۂ نظر سے کی اور اپنی رپورٹ میں جماعت کی صرف ایک رخی تصویر پیش کرنے ہی پر اکتفانہ کیا بلکہ سارے مواد کو اس طرز پر مرتب کیا کہ جن انتہائی نتائج پر وہ مجلس شوریٰ کو پہنچانا چاہتی تھی ان کی تائید اس پورے مواد سے حاصل ہو۔ میں نے اس خامی کی طرف بھی مجلس شوریٰ کی توجہ دلانے کی کوشش کی ——————

—————— کیونکہ میں محسوس کر رہا تھا کہ رپورٹ کی اس مخصوص ہیئت سے بحیثیت مجموعی مجلس شوریٰ کے ذہنی توازن پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔ اور وہ اس کے تحت غلط فیصلے کر سکتی ہے۔ لیکن اس خدمت کی انجام دہی سے بھی جو دیانتاً امیر

جماعت ہونے کی حیثیت سے میرا فرض تھا' مجھے اس تلخی کے ساتھ روکا گیا اور میں نے محسوس کیا کہ جتھہ بندی کر کے میرے لئے وہ حالات پیدا کئے گئے ہیں' جن میں' میں امیر جماعت کے فرائض انجام دینے کے بجائے بعض مخصوص لوگوں کا آلۂ کار اور ان کے اشاروں پر چلنے والا بن کر رہوں۔

۶۔ اس صورت حال کو دیکھ کر میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ یا تو امارت سے مستعفی ہو جاؤں یا جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا خطرہ مول لے کر اپنے فرائض اس سختی کے ساتھ انجام دوں جو ایسے حالات میں ایک فرض شناس امیر جماعت کو اختیار کرنی چاہئے۔ میں نے جماعت کی بہتری اسی میں سمجھی تھی کہ پہلی صورت اختیار کروں چنانچہ میں نے استعفاء پیش بھی کر دیا۔ مگر افسوس ہے کہ اسے قبول نہ کیا گیا اور مجھے مجبور کر دیا گیا کہ یا تو میں دوسری صورت اختیار کروں یا پھر مجلس شوریٰ کو ان غلط نتائج پر پہنچ جانے دوں جن پر یہ حضرات اسے اپنی جتھہ بندی کے ذریعہ پہنچانا چاہتے تھے۔ اور مزید بر آں ان نتائج کو جماعت میں نافذ کرنے کی ذمہ داری بھی اپنے سر لوں۔

۷۔ مجلس شوریٰ میں ان لوگوں کے غلط رویہ کی وجہ سے جس میں ضد' بے جا اصرار' شدت اور جتھہ بندی کے سارے عناصر پائے جاتے تھے' آپ سے آپ ان ارکان شوریٰ کے اندر بھی ایک مخالف پارٹی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی جو ان کے ہم خیال نہ تھے۔ اس طرح جماعت اسلامی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جماعت کے اندر جماعتیں بننے کا عملاً آغاز ہو گیا' جسے اگر اسی وقت نہ روکا گیا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ تحریک اور جماعت بہت برے انجام سے دوچار ہو گی۔

۸۔ یہ بھی جماعت کی تاریخ میں پہلا ہی موقعہ ہے کہ مجلس شوریٰ کے اندر ایک جتھہ نے اپنی شدت' ہٹ اور مشترک کوشش بلکہ جماعت میں تفریق برپا ہو جانے کے خطرے کا دباؤ ڈال کر امیر جماعت اور بقیہ ارکان شوریٰ سے اپنی بات منوانے اور پھر بالآخر ایک مصالحتی فارمولا طے کرنے کا طریقہ اختیار کیا اور اس طرح "مصالحتی فارمولا" میں کچھ چیزیں اس طرح داخل کرانے کی کوشش کی کہ گویا یہ ان کی طرف سے جماعت کے اندر رہنے یا جماعتی تفریق کی سعی سے باز رہنے کی شرائط ہیں' جن سے ہٹنے کے لئے وہ تیار نہیں ہیں۔ میں اسے جماعت

اسلامی کی بدقسمتی کا آغاز سمجھتا ہوں اور مجھے اندیشہ ہے کہ اس رجحان کی ہمت افزائی کی گئی تو یہ جماعت خراب ہو کر رہے گی۔

۹۔ میں یہ رائے تو قطعاً نہیں رکھتا بلکہ مجھے اس کا شبہ بھی نہیں ہے کہ جائزہ کا یہ پورا کام اور مجلس شوریٰ میں جائزہ کمیٹی کے ارکان کا کردار ایک دانستہ سازش کا نتیجہ تھا۔ لیکن میرا احساس یہ ہے کہ اس سے عملاً نتائج وہی بر آمد ہوئے ہیں جو ایک دانستہ سازش سے بر آمد ہو سکتے تھے اور اب نہیں تو آئندہ اس سے جماعت اسلامی میں نجوی اور سازشی طریق کار اور جتھہ بندی اور جتھوں کی کشمکش کا دروازہ کھل جائے گا۔ جو طریق کار کمیٹی کے ارکان نے اختیار کیا اس سے عملاً معاملہ کی جو صورت بنی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی بات منوانے کے لئے مجلس شوریٰ میں آنے سے پہلے انہوں نے جماعت کے فراہم کئے ہوئے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر پوری جماعت میں اپنے ہم خیال لوگ ڈھونڈے۔ ان کا ایک جتھہ مجلس شوریٰ کے باہر تیار کیا۔ ان کے انفرادی خیالات و نظریات کو جمع کر کے ان کا ایک اجتماعی مقدمہ بنایا۔ اس مقدمہ کی پشت پر جماعت کے ان سارے لوگوں کی شکایات و اعتراضات کو جمع کیا جن کے وہم و گمان میں بھی اس خاص مقدمہ کو مضبوط کرنے کا تخیل نہ تھا۔ پھر اس سروسامان سے لیس ہو کر یہ حضرات یکایک مجلس شوریٰ کے سامنے ایک پارٹی کی صورت میں نمودار ہوئے اور پوزیشن یہ اختیار کی کہ ان کے نظریات صرف ان ہی کے نظریات نہیں ہیں بلکہ باہر غیر مطمئن لوگوں کی ایک کثیر تعداد ان کی پشت پر موجود ہے لہٰذا یا مجلس شوریٰ اس راستہ پر چلے جس پر وہ اسے چلانا چاہتے ہیں ورنہ جماعت میں ایک بڑی پھوٹ پڑ کر رہے گی۔ اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ چال چلنے کا ارادہ کیا گیا تھا یا نہیں مگر مجلس شوریٰ کو اور خود مجھے جس صورت واقعی سے دوچار ہونا پڑا وہ یہی تھی اور اس کا اثر ایک دانستہ سازش سے کچھ بھی مختلف نہ تھا۔

ان امور پر غور کرنے کے بعد میں اس قطعی رائے پر پہنچ چکا ہوں کہ میرے لئے مجلس شوریٰ میں ان ارکان کے ساتھ کام کرنا بالکل ناممکن ہے جن پر جائزہ کمیٹی مشتمل تھی۔ بعض اور حضرات کا رویہ بھی میرے لئے ناقابل برداشت ہو چکا ہے مگر ان کا نوٹس میں بعد میں لوں گا۔ سردست جائزہ کمیٹی کے ارکان کے

معاملہ میں دو صورتیں تجویز کرتا ہوں۔

اوّل یہ کہ وہ خود مجلس شوریٰ کی رکنیت سے مستعفی ہو جائیں۔

دوم یہ کہ میرے اس نوٹ کو ان کے حلقہ انتخاب میں ارکان تک پہنچا دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ اگر وہ مجھ سے امارت کی خدمت لینا چاہتے ہیں تو اپنے ان نمائندوں کو واپس لے کر دوسرے نمائندے منتخب کریں۔

قیم جماعت کو میں ہدایت کرتا ہوں کہ اس نوٹ کی نقلیں ان چاروں حضرات کو بھیج دیں اور ان سے درخواست کریں کہ آئندہ حلقہ وار اجتماعات سے پہلے مرکز کو اطلاع دیں کہ وہ ان دونوں صورتوں میں سے کس کو پسند کرتے ہیں۔ اگرچہ غازی صاحب آخر تک مجلس شوریٰ کی کارروائیوں میں شریک نہیں رہے ہیں اور اس بنا پر وہ ان تمام باتوں کے ذمہ دار قرار نہیں دیئے جا سکتے جن کا ذکر پیراگراف نمبر چھ سے نمبر ۹ تک کیا گیا ہے لیکن باقی امور کی ذمہ داری میں وہ بھی برابر کے شریک ہیں۔

میری طرف سے ان چاروں حضرات کو پورا اطمینان دلا دیا جائے کہ آنے والے حلقہ وار اجتماعات میں ان کو ارکان جماعت کے سامنے اپنے خیالات کو پیش کرنے کا کھلا اور آزادانہ موقعہ دیا جائے گا۔ اگر وہ ارکان جماعت کو یا ان کی اکثریت کو ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو انشاءاللہ جماعت کی قیادت ان کی طرف منتقل ہونے میں ذرہ برابر بھی رکاوٹ پیش نہ آئے گی لیکن اگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکیں تو یہ فیصلہ کرنا ان کا اپنا کام ہو گا کہ آیا وہ مطمئن ہو کر اس جماعت کے ساتھ چل سکتے ہیں یا نہیں۔ مطمئن نہ ہونے کی صورت میں ان کے لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ جماعت سے الگ ہو کر جس طریقہ پر خود کام کرنا صحیح سمجھتے ہوں اس پر عمل کریں۔ اس جماعت کے اندر نظریات کی کشمکش برپا کرنے کا حاصل اس کے سوا کچھ نہ ہو گا کہ نہ وہ خود دین کی کوئی خدمت کر سکیں گے اور نہ جماعت کے دوسرے لوگ ہی کسی خدمت کے قابل رہ جائیں گے۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ اس جماعت کو خراب کرنا کسی غیر مطمئن رکنِ جماعت کی نگاہ میں بھی کوئی خدمتِ دین تو نہ ہو گا"۔

(دستخط) ابوالاعلیٰ

۲۳ر دسمبر ۵۶ء

باب دوم

مولانا اِصلاحی کا جوابی حملہ

اور جائزہ کمیٹی کا دفاع

ارکان جائزہ کمیٹی کے نام مولانا مودودی صاحب کا یہ "الزام نامہ" نہ صرف "جمہوریت" اور "شورائیت" اور عدل و انصاف بلکہ ــــ راست معاملگی (FAIR DEALING) تک کی نفئ کامل تھا۔ اس کے بین السطور سے مولانا موصوف کی جو ذہنی کیفیت سامنے آتی ہے اور ان کا جو طرزِ عمل ظاہر ہوتا ہے وہ شاید اس بدنامِ زمانہ ماہرِ علمِ سیاسیات کی روح کے لئے تو موجبِ مسرت و شادمانی ہوا ہو جسے دنیا میسکیا ویلی کے نام سے یاد کرتی ہے۔ باقی جس کے علم میں بھی یہ "حکم نامہ" آیا وہ حیران و پریشان اور ششدر و مبہوت ہو کر رہ گیا ـــ! ارکانِ جائزہ کمیٹی کے لئے تو یہ اتنی شدید ذہنی و روحانی کرب و اذیت کا موجب تھا ہی جس سے وہ ایک صدمے کی سی حالت سے دوچار ہو گئے ــــــــ

ـــ خود مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے علم میں جب یہ آیا تو ان پر سکتہ طاری ہو گیا اور خود ان ہی کی اس زمانے کی بیان کی ہوئی تفصیل کے مطابق 'ان کا یہ حال ہو گیا کہ جیسے ایک دم ہاتھ پیر جواب دے گئے ہوں۔ تقریباً سولہ سترہ سال جس جماعت کے لئے اپنی صلاحیتوں اور اوقاتِ عزیز کا اکثر و بیشتر حصہ صرف کیا تھا اچانک اس کا یہ انجام نگاہوں کے سامنے آیا کہ جیسے یہ اب منتشر ہوا چاہتی ہے اور ایک شخص کی زخم خوردہ انا' طیش میں 'اس کے شیرازے کو منتشر کرنے پر تُل گئی ہے۔ مولانا اُن دنوں فرمایا کرتے تھے کہ بار بار خیال آتا تھا کہ جاؤں اور مولانا مودودی کو سمجھاؤں کہ وہ اس اقدام سے باز آ جائیں' پھر سوچتا تھا کہ ان کی اس تحریر کے بعد اصلاح کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ مولانا کے اپنے الفاظ میں:

> "میں وہ ہوں کہ میری آنکھیں انتہائی تاریکی میں بھی روشنی ڈھونڈھ نکالتی ہیں' لیکن اس وقت مجھے بھی روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی"۔

بارہا ایسا ہوا کہ مولانا اصلاحی صاحب نے مولانا مودودی سے ملنے کو جانے کے لئے کپڑے تبدیل کر لئے پھر مایوسی کا غلبہ ہوا اور جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ آخر کار کسی نہ کسی طرح ہمت کر کے مولانا اصلاحی صاحب نے دو ایک ملاقاتوں میں 'مولانا مودودی کو اس اقدام کی غلطی اور ہلاکت آفرینی کی جانب متوجہ کیا۔ مولانا مودودی ہر بار مزید غور کرنے کا وعدہ کر کے ٹالتے رہے۔ چند دن بعد جب مولانا اصلاحی صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ جائزہ کمیٹی کے ایک رکن جن کو کسی وجہ سے اب تک "الزام نامہ" نہیں پہنچایا جا سکا تھا' ان کو بھی پہنچا دیا گیا' تو پھر مجبوراً مولانا اصلاحی صاحب نے اپنا وہی قلم جو ایک طویل عرصے سے مولانا مودودی کی حمایت اور ان کی جانب سے مدافعت میں استعمال ہوتا رہا تھا' اٹھایا اور ایک ماہر دستور و قانون کی حیثیت سے مولانا مودودی کے اس الزام نامے کا "محاکمہ" تحریر کیا ـــــ یہ طویل تحریر اس قابل ہے کہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ رہے اس لئے من و عن درج ہے :۔

"محترم امیر جماعت اسلامی 'السلام علیکم ورحمۃ اللہ

قیّم جماعت اسلامی نے آپ کا جو نوٹس آپ کے دستخط کے ساتھ جائزہ کمیٹی کے ارکان کے نام ۲۵ر دسمبر ۵۶ء کو بھجوایا ہے اس کے متعلق میں آپ سے ملاقات کر کے اپنے خیالات زبانی آپ کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں۔ آپ نے مجھ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ آپ غور کر کے اپنے جوابات سے مجھے آگاہ فرمائیں گے۔ چونکہ آپ کا یہ اقدام نہایت اہم اور دور رس نتائج کا حامل ہے اس وجہ سے میں نے گذارش کی تھی کہ آپ جس قدر جلدی ممکن ہو سکے' مجھے اپنے جواب سے آگاہ فرمائیں گے لیکن ایک ہفتہ سے زیادہ مدت گزر جانے کے بعد بھی نہ تو مجھے آپ کا جواب ہی معلوم ہو سکا نہ بظاہر آپ نے اپنے اٹھائے ہوئے قدم کو واپس ہی لیا اور نہ وہ افسوسناک پروپیگنڈہ ہی بند ہوا جو شوریٰ کے فیصلے کے خلاف آپ کے مرکزی اسٹاف 'بعض ارکانِ شوریٰ اور بعض امرائے حلقہ کی طرف سے جماعتی حلقوں میں جاری ہے اور جس سے نہ صرف شوریٰ کے فیصلہ کے خلاف بلکہ شوریٰ کے بہت سے ایسے ارکان کے خلاف ایک مخالفانہ فضا تیار کی جا رہی ہے جن کی ثقاہت' جن کی اصابت رائے اور جن کے اخلاص و تقویٰ پر جماعتی حلقوں میں کبھی کسی کو شبہ نہیں ہوا۔ میں آپ کی اس خاموشی کو اس بات پر محمول کرتا ہوں کہ میری معروضات آپ کا ذہن تبدیل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں اور آپ نہ صرف یہ کہ اپنا فیصلہ بدلنے پر راضی نہیں ہیں بلکہ مجھے کسی جواب کا مستحق بھی خیال نہیں فرماتے ہیں۔

اگرچہ اپنے اور جماعت کے ایک دیرینہ خادم کے ساتھ آپ کی یہ بے اعتنائی ایک افسوسناک بات ہے اور دل نہیں چاہتا کہ اس بارے میں کچھ مزید عرض کروں لیکن جماعت اور امیر کے ساتھ خیر خواہی کا جو عہد میں نے اپنے رب کے ساتھ کیا ہے وہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ جو کچھ میں جماعت کے لئے اور خود آپ کے لئے حق اور بہتر سمجھتا ہوں اس کو آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ اب تک جو کچھ میں عرض کرتا رہا ہوں وہ زبانی عرض کرتا رہا ہوں لیکن اب کے میں نے تحریر کا راستہ اختیار کیا ہے کہ شاید اس طرح میں اپنی بات زیادہ بہتر طریقہ پر پیش کر سکوں۔

میں نے آپ کے مذکورہ نوٹس (جس کو اس کے مزاج اور انداز کے لحاظ سے ایک فرمان کہنا شاید بے جا نہ ہو) کو گھر پر آکر دوبارہ پڑھا اور اس کے تمام پہلوؤں پر بار بار غور کیا۔ اس بار بار کے غور و فکر کے بعد بھی میری رائے وہی ہے جو میں آپ سے زبانی عرض کر چکا ہوں۔ میرے نزدیک آپ کا یہ پورا نوٹس استدلال و استنتاج کے لحاظ سے بالکل غلط، مصالح کے اعتبار سے جماعت کے لئے نہایت مہلک، عدل و انصاف کے لحاظ سے یہ ان کے ابتدائی تقاضوں کے احترام سے بھی خالی ہے اور دستوری و آئینی نقطہ نظر سے تو جب میں اس پر غور کرتا ہوں تو مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ ہم جو اسلامی جمہوریت و شورائیت کی ایک مثال قائم کرنے کا حوصلہ لے کر اٹھے تھے، ابھی اس کی پہلی جھلک بھی ہم کو دیکھنی نصیب نہیں ہوئی تھی کہ شاید ہمارے جی اس سے بھر چکے اور ہم اس کی جگہ پر ایک ایسی فسطائیت کا تجربہ کرنے کا شوق رکھتے ہیں جس کی نظیر کم از کم ماضی و حاضر میں تو کوئی اور نہ مل سکے۔ جب میں آپ کے نوٹس کے اس پہلو پر غور کرتا ہوں تو دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید اسلامی جمہوریت اور شورائیت کی شان میں اپنی تحریروں میں ہم اب تک جو قصیدہ خوانیاں کرتے رہے ہیں وہ محض مشق سخن کے طور پر تھیں یا محض اپنے ملک کے ارباب اقتدار کو ہدف ملامت بنانے کے لئے۔ ورنہ اس اقدام سے پہلے آپ اس سوال پر ضرور غور کرتے کہ آپ کے اس اقدام کے بعد اس شوریٰ اور دستور کا کیا حشر ہو گا جس پر ہم نے جماعت کی عمارت کھڑی کی تھی۔

اب میں آپ کے اس نوٹس کے ایک ایک جزو پر اختصار کے ساتھ وہ باتیں عرض کرتا ہوں جو کم و بیش زبانی آپ کے سامنے عرض کر چکا ہوں اور مقصود اس گذارش سے، جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، محض یہ ہے کہ ایک شدید ترین غلطی پر جو جماعت کے لئے بالکل تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے، آپ کو متنبہ کروں۔

۱۔ آپ نے اس نوٹس کے نمبر ۱ اور ۲ کے تحت جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جائزہ کمیٹی، جو غیر مطمئن ارکان کے خیالات معلوم کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی دراصل خود غیر مطمئن بلکہ انتہائی غیر مطمئن ارکان پر مشتمل تھی، اس اہم کام کے لئے اس طرح کی کمیٹی کا مقرر کیا جانا کسی طرح مناسب نہ تھا لیکن چونکہ کمیٹی مقرر کرتے وقت ان ارکان کی اس بے اطمینانی اور ان کی انتہاپسندی کا نہ ارکان شوریٰ کو اندازہ تھا اور نہ آپ کو، اس لئے کسی کو اس کی ترکیب کے غلط ہونے کا اندازہ نہیں ہوا۔

مجھے جائزہ کمیٹی کے ارکان پر آپ کا یہ تبصرہ مختلف پہلوؤں سے عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ارکان، جماعت میں کوئی نووارد ارکان نہیں تھے بلکہ ان میں سے تین تو وہ ہیں جو غالباً ابتدا سے یا کم از کم تقسیم کے پہلے سے نہ صرف جماعت کے رکن ہیں بلکہ ہر مرحلہ میں مجلس شوریٰ میں آپ کے ساتھی اور رفیق رہ چکے ہیں۔ ایک صاحب اگر ابتدا سے نہیں تو کم از کم آٹھ نو سال سے تو جماعت میں ضرور ہیں اور اس دوران میں ان کی زندگی کا بڑا حصہ ایسا گزرا ہے جس میں شوریٰ میں ہم ان کے نظریات و خیالات کا برابر تجربہ کرتے رہے ہیں۔ پھر ان میں سے دو وہ ہیں جو نہ صرف جماعت کی تمام اہم ذمہ داریوں کے اٹھانے میں آپ کے دست و بازو رہے ہیں بلکہ انہوں نے نہایت نازک ادوار میں جماعت کی امارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور ایسی خوبی سے نبھائی ہیں کہ پوری جماعت نے ان کے استقلال، ان کی اصابتِ رائے اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ ان میں سے مولانا عبدالغفار حسن صاحب ابھی چند ماہ ہوئے ہیں آپ کے سفرِ حج کے موقع پر، خود آپ ہی کے انتخاب سے، جماعت کے قائم مقام امیر رہ چکے ہیں نیز آپ کے شعبۂ تربیت کے ناظم اور شوریٰ کی مقرر کردہ ایک اہم عدالت کے صدر ہیں۔ اگر اتنی گوناگوں آزمائشوں سے گزرنے کے بعد بھی آپ اور ارکان شوریٰ اپنے ان دیرینہ رفیقوں کی "شدت"، "انتہاپسندی" اور ان کی "انتہائی بے اطمینانی" کا کوئی اندازہ نہ کر سکے تو میں نہایت ادب سے یہ عرض کروں گا کہ ہمیں ان ارکان کی بے اطمینانی پر افسوس کرنے کی بجائے خود اپنے کودن ہونے پر سر پیٹنا چاہئے۔

اطمینان و بے اطمینانی اور شدت و انتہاپسندی ایسے اوصاف نہیں ہیں جو صبح و شام کے اندر پیدا ہوتے اور ختم ہوتے ہوں۔ بالخصوص ان لوگوں کے اندر جو اپنی زندگی کے تلوّن کے زمانے گزار چکے ہوں اور جماعت کی خدمت میں جن کے سیاہ بال اب یا تو سفید ہو چکے ہیں یا سفید ہو رہے

ہوں۔ ایسے آزمودہ لوگوں کے بارے میں آپ کا یہ کہنا کہ نہ صرف آپ کو بلکہ شوریٰ کے دوسرے ساتھیوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہ لوگ انتہائی غیر مطمئن اور انتہاپسند ہیں' جب ان لوگوں نے جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پیش کی ہے تب یہ انکشاف ہوا کہ یہ لوگ سخت غیر مطمئن اور انتہاپسند تھے۔ آخر کس معقول آدمی کے ذہن میں یہ بات اتر سکتی ہے؟۔

دوسری بات یہ ہے کہ جائزہ کمیٹی کوئی ایسی کمیٹی نہیں تھی جو دفعتہً بنی ہو اور آناً فاناً اس نے اپنا کام ختم کیا ہو اور پھر رپورٹ پیش کر کے فارغ ہو بیٹھی ہو کہ اس کے ارکان کے متعلق رواروی میں کوئی صحیح رائے قائم نہ کی جا سکی ہو اور اس سبب سے اس کی ترکیب بالکل غلط ہو گئی ہو۔ اس قطرہ کے گہر ہونے پر تو ایک مدت گزری ہے اور اس کے پیچھے ایک پوری تاریخ بن چکی ہے۔ اس کمیٹی کا تقرر کراچی کے اجتماع سالانہ (۱۹۵۵ء) کے موقع پر ہوا تھا لیکن اس کے کام شروع کرنے سے پہلے ہی راولپنڈی اور لائل پور کے حلقوں کے بعض مخصوص لوگوں نے اس کمیٹی کے بعض ارکان کے خلاف اعتراضات اٹھائے کہ وہ چنیں ہیں اور چناں ہیں اور افسوس ہے کہ ان کی اس مہم میں بعض ذمہ دارانِ مرکز بھی شریک ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مارچ ۵۶ء کی شوریٰ میں یہ کمیٹی توڑ دی گئی اور اس کی جگہ پر آپ نے اور پوری شوریٰ نے بسلامتیٔ ہوش و حواس ایک دوسری جائزہ کمیٹی مقرر کی جو تمام غیر مطلوب عناصر سے پاک تھی۔ اس کے ارکان پورے اتفاق رائے سے منتخب کئے گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ غازی صاحب اور حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کسی طرح بھی اس کمیٹی میں شریک ہونے پر راضی نہیں تھے لیکن ان کو شوریٰ اور آپ کی طرف سے راضی کیا گیا اور سلطان صاحب تو شوریٰ میں موجود بھی نہیں تھے' ان کا انتخاب ان کی عدم موجودگی ہی میں ہوا۔ مجھے یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ اس کمیٹی کے حدودِ کار بھی آپ نے خود قلمبند کرائے۔ لیکن ان تمام ترمیمات و اصلاحات کے بعد بھی جو اصحاب پہلی کمیٹی سے مطمئن نہیں تھے وہ اس دوسری کمیٹی پر بھی مطمئن نہیں ہوئے اور اس کے خلاف مہم چلاتے رہے اور افسوس ہے کہ نہ معلوم کن مصالح کے تحت خود مرکز کے بعض ذمہ دار حضرات اس مرتبہ بھی اس مہم کو تقویت پہنچانے میں شریک ہو گئے جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کمیٹی کو مختلف حلقوں میں طرح طرح کی بدگمانیوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور اس کے کام میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔ ایک ایسی کمیٹی جو اتنے مراحل سے گزری ہو جو اتنے پرانے ارکانِ جماعت پر مشتمل ہو' اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس کے ارکان کا کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا میرے نزدیک کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ آخر سلطان احمد صاحب' غازی محمد

عبدالجبار صاحب، مولانا عبدالغفار حسن صاحب اور حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب سے جماعت کا کون شخص بے خبر ہو سکتا ہے۔ نہ عام ارکان ان سے بے خبر ہیں اور نہ ارکانِ شوریٰ ــــ اس وجہ سے یہ کہنا تو میرے نزدیک بالکل ہی غلط ہے کہ ان کا کوئی اندازہ نہیں تھا البتہ اگر آپ کہہ سکتے ہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ لوگ ایک متفقہ رپورٹ پیش کریں گے اور یہ رپورٹ اس طرح کا مواد پیش کرے گی جو اس نے پیش کیا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ کمیٹی کے ارکان کا غیر مطمئن ارکانِ جماعت کی رائے سے متفق ہونا اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ لازماً وہ سب کے سب پہلے ہی سے غیر مطمئن ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض جماعت کے حالات کے بارے میں پوری طرح مطمئن رہے ہوں یا کم از کم یہ کہ کچھ زیادہ غیر مطمئن نہ رہے ہوں لیکن پوری تحقیقات کے بعد ان کے سامنے جو مواد آیا ہو اس نے ان کو غیر مطمئن بنا دیا ہو۔ کم از کم دو کے بارے میں تو میرا تاثر یہی ہے کہ وہ کچھ زیادہ غیر مطمئن نہ تھے۔ بلکہ دوسرے بہت سے محتاط ارکان کی طرح وہ صرف یہ سمجھ رہے تھے کہ جماعت کے اندر کچھ غلط رجحان پرورش پا رہے ہیں جو متعین شکل میں ان کے سامنے نہیں تھے، لیکن جائزہ کے بعد جو حالات ان کے سامنے آئے وہ ان کو دیکھ کر واضح طور پر یہ سمجھ سکے کہ درحقیقت صورتحال کیا ہے؟۔ یہ بے اطمینانی ایک بالکل قدرتی چیز ہے جو اس رپورٹ کے پیش کردہ مواد سے ہر اس رکن شوریٰ کے دل میں پیدا ہوئی جس نے اس کا مطالعہ بغیر کسی بدگمانی کے کیا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی رپورٹ کو پیش کرتے وقت جائزہ کمیٹی کے ارکان کا ایک ہی نقطۂ نظر کے ساتھ مجلس شوریٰ کے سامنے نمایاں ہونا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر ان کو مطعون کیا جائے اور اس بنیاد پر ان کو سازشی قرار دے کر ان کو سزا دی جائے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہم اس بات کے خواہشمند تھے کہ وہ آپس میں اختلاف کریں لیکن جب انہوں نے اختلاف نہیں کیا تو ہم ان سے بدگمان ہو بیٹھے کہ انہوں نے کوئی سازش کر ڈالی ہے۔ حالانکہ ان کا اتفاق جس چیز پر ہے وہ صرف اس مواد کے پیش کر دینے پر ہے جو جائزہ کے بعد ان کے سامنے آیا ہے یا اس بات پر ہے کہ جماعت کی موجودہ حالت کسی طرح بھی قابل اطمینان نہیں ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس پر ایک دو ارکان شوریٰ کے سوا سب ہی ان کی رائے سے متفق ہیں جہاں تک موجودہ خرابیوں کے اسباب کا تعلق ہے اس سے سرے سے انہوں نے کوئی بحث ہی نہیں کی کہ اس بارے میں انکا اتفاق یا اختلاف ہمارے سامنے آسکتا۔ جماعت

کی پالیسی سے متعلق انہوں نے جو تقریریں کیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس بارے میں وہ باہم متفق نہیں ہیں۔ غازی صاحب کی رائے تو ان کی علالت کے باعث ہمارے سامنے آ ہی نہ سکی، رہے سلطان احمد صاحب، مولانا عبدالغفار حسن صاحب اور حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب تو انہوں نے جو تقریریں کیں اس سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ تینوں الگ الگ نقطہ ہائے نظر رکھتے ہیں۔ عبدالرحیم اشرف صاحب کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ تقسیم ملک کے بعد ہم اپنے اصلی نصب العین سے منحرف ہو گئے ہیں لیکن بقیہ دونوں ارکان نے کسی انحراف کو تسلیم نہیں کیا صرف بعض تدابیر کو غلط قرار دیا اور شوریٰ نے اسی نقطۂ نظر سے اتفاق کیا۔ شوریٰ کے اتفاق کے بعد حکیم صاحب بھی اس سے متفق ہو گئے اس وجہ سے یہ کہنا کہ وہ ایک جتھہ بندی کر کے سامنے آئے میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ بالفرض ایک رائے پر وہ متفق بھی ہوتے جب بھی اس کو جتھہ بندی نہیں کہہ سکتے۔ اس اتفاق کو جتھہ بندی وہی شخص کہہ سکتا ہے جو ان کے اختلاف کا متمنی رہا ہو، لیکن جب اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی تو اس نے ان پر جتھہ بندی کا الزام جڑ دیا۔

۲۔ آپ کا یہ کہنا بھی مجھے عجیب معلوم ہوتا ہے کہ خود جائزہ کمیٹی کے ارکان کا یہ فرض تھا کہ وہ آپ کو اس امر سے آگاہ کرتے کہ وہ ایک ہی طرز فکر رکھنے والے لوگ ہیں، اس وجہ سے اس کمیٹی میں دوسرے طرز فکر کی نمائندگی بھی ہونی چاہئے۔ جب بار بار کے توڑ پھوڑ کے باوجود خود آپ کو اور مجلس شوریٰ کو بھی آپ کے بقول یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ یہ ایک ہی طرز فکر کے لوگ ہیں تو خود جائزہ کمیٹی کے ارکان کو بھی اگر یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ ہم ایک ہی طرز فکر کے لوگ ہیں تو کیا عجیب بات ہے۔ ممکن ہے جس طرح آپ کو ان کی رپورٹ ہی سے پہلی بار اندازہ ہوا کہ یہ سب ایک ہی سانچہ کے ڈھلے ہوئے نکلے اسی طرح انہیں بھی اپنی رپورٹ مرتب کرتے ہی وقت یہ علم ہوا ہو کہ الحمدللہ ہم میں اس رپورٹ کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایسی حالت میں وہ پہلے سے آپ کو کس طرح بتا دیتے کہ ہم ایک ہی طرز فکر کے لوگ ہیں، مبادا ہم کوئی سازش یا جتھہ بندی کر ڈالیں اس وجہ سے ہمارے ساتھ کچھ دوسرے طرز کے لوگوں کو بھی شامل کیجئے۔ علاوہ ازیں میں اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ جائزہ کمیٹی کی تشکیل کرتے ہوئے نہ شوریٰ نے پہلی مرتبہ اس حقیقت کو نظر انداز کیا تھا کہ اس کمیٹی میں شوریٰ کے ہر طرز فکر کی نمائندگی ہونی چاہئے اور نہ دوسری مرتبہ اس کو نظر انداز کیا۔ اس توازن کو قائم رکھنے کی خواہش اور کوشش دونوں مرتبہ ملحوظ رہی بلکہ پہلی کمیٹی توڑی ہی اس وجہ

سے گئی تھی کہ بعض لوگ اس کو غیر متوازن سمجھتے تھے۔ اب یہ اور بات ہے کہ جائزہ کمیٹی کے کام کو اپنے منشاء کے خلاف پا کر ہم یہ کہنے لگیں کہ اس کی تشکیل ہی غلط تھی اور اس تشکیل پر اس کے خاموش رہنے کو بھی اس کی ایک سازش قرار دیں کہ آخر اس نے اپنی تعمیر کی اس مضمر خرابی سے آپ کو آگاہ کیوں نہ کیا؟۔

مجھے آپ کی یہ شکایت بھی بالکل بے جا معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے جب کمیٹی کی اس خامی کی طرف توجہ دلائی تو کمیٹی کی طرف سے بڑی تلخی کے ساتھ اس کی مزاحمت ہوئی۔ اول تو مجھے اس بارے میں ان کی طرف سے کسی تلخ جواب کا علم نہیں ہے لیکن اگر انہوں نے آپ کی اس طرح کی کسی نشاندہی پر تلخ جواب دیا تو آپ کو یہ برداشت کرنا چاہئے تھا کیونکہ یہ غلطی اگر تھی تو آپ کی اور مجلس شوریٰ کی تھی، نہ کہ ان کی۔ آپ نے اور شوریٰ نے ان کو منتخب کیا اور پھر آپ ہی ان پر یہ الزام دھرتے ہیں کہ تم ایک ہی طرز کے لوگ کیوں منتخب ہو گئے؟ اور تم نے ایک ہی طرز پر کیوں سوچا؟ لیکن مجھے تعجب ہوتا ہے کہ آپ ان کی اس تلخی کو برداشت کرنے کی بجائے ان کو سزا دینے پر تُل گئے اور اس غصہ میں آپ نے دستور و آئین اور حق و انصاف سب کو لپیٹ کر بالائے طاق رکھ دیا۔

۳۔ آپ کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ جائزہ کمیٹی نے اپنے حدودِ کار سے کوئی تجاوز کیا۔ میں یہاں مقرر کردہ حدودِ کار اور جائزہ کمیٹی کے کام کے موازنہ کی بحث میں پڑے بغیر اس صورتحال کی یاد دہانی کافی سمجھتا ہوں جو جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پیش ہونے پر شوریٰ کے بالکل ابتدائی مرحلہ ہی میں پیش آئی۔ جوں ہی بحث کا آغاز ہوا آپ نے سب سے پہلے اسی سوال کو اٹھایا کہ کمیٹی نے اپنے مقررہ حدودِ کار سے تجاوز کیا ہے اور اپنے خیال کے مطابق اس کے دلائل پیش کئے۔ آپ اُس وقت اتنے غصہ میں تھے کہ آپ کانپ رہے تھے اور لب و لہجہ نہایت تیز تھا۔ میرا ماتھا اسی وقت ٹھنکا تھا کہ اب جائزہ کمیٹی کی خیر نہیں ہے، لیکن جب سلطان احمد صاحب اور عبدالرحیم اشرف صاحب نے حدودِ کار اور جائزہ کمیٹی کے کام کا موازنہ کرتے ہوئے آپ کے اعتراضات کا جواب دیا تو مجلس شوریٰ کے ارکان کی اکثریت (شاید ایک دو ارکان کے سوا جو خاموش رہے) ان کے جواب سے پوری طرح مطمئن ہو گئی کہ جائزہ کمیٹی نے مقررہ حدودِ کار سے کوئی تجاوز نہیں کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ قیّم جماعت جو آپ کی رائے سے کسی اختلاف کو مشکل ہی سے جائز سمجھتے ہیں، آپ کے بجائے کمیٹی کی رائے سے متفق ہو گئے۔ آپ نے خود بھی اس کے بعد اپنا اعتراض واپس لیتے ہوئے یہ فرمایا کہ میں نے یہ سوال

اس لئے اٹھایا تھا کہ یہ پیدا ہو سکتا تھا' میں نے چاہا کہ اس کی وضاحت ہو جائے۔ کچھ وقفہ کے بعد ایک رکن شوریٰ نے جب پہلے ہی مرحلہ میں آپ کے لب ولہجہ کی اس شدت کی شکایت کی جو آپ نے یہ سوال اٹھاتے وقت ظاہر کی تھی تو آپ نے ان کے جواب میں اپنے سابق جواب ہی کا اعادہ کیا کہ آپ نے وہ سوال محض وضاحت طلبی کے لئے اٹھایا تھا۔ میں نے اور غالباً دوسرے ارکان شوریٰ نے بھی آپ کے اس جواب کو یہی سمجھا تھا' کہ یہ آزادئ رائے کے ساتھ اور بغیر کسی تحفظ کے دیا گیا ہے' لیکن اب آپ کے فرمانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ جواب اس وجہ سے دیا تھا کہ آپ کا منہ بند کر دیا گیا تھا۔ اگر منہ بند کرنے سے آپ کا یہ مطلب ہے کہ شوریٰ کی بڑی اکثریت نے آپ کے نقطہ نظر سے اختلاف کیا اور جو آپ کے ہم خیال تھے وہ خاموش رہے تو یہ بات تو ضرور ہوئی لیکن اس چیز کو منہ بند کرنے کی کوشش سے تعبیر کرنا تو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر یہ منہ بند کرنا ہے تو یہ حادثہ ہر جمہوری نظام میں ہر صدر اور ہر امیر کو پیش آسکتا ہے اور پیش آتا ہے۔ اگر آپ کو بھی پیش آیا تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہوئی۔ اگر منہ بند کرنے سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ جوابوں کا انداز تیز تھا تو میں ادب سے یہ گزارش کروں گا کہ اس وقت تھوڑی سی تیزی محض اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ خود آپ کا اندازِ گفتگو بھی خاصا تیز تھا۔ بہرحال شوریٰ کی اکثریت کا آپ کے کسی نقطۂ نظر سے اتفاق نہ کرنا یا اس سے شدت کے ساتھ اختلاف کرنا آپ کا منہ بند کرنا نہیں ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ آپ نے اس اختلاف کو منہ بند کرنے سے کیوں تعبیر فرمایا!

۴۔ اپنے نوٹس کے نمبر ۵ کے تحت آپ نے جائزہ کمیٹی اور شوریٰ کے بعض دوسرے ارکان کے اوپر اکٹھے کئی ایک الزامات لگائے ہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی میں صحیح خیال نہیں کرتا۔ مثلاً:-

☆..... یہ کہ کمیٹی نے ساری تحقیقات ایک مخصوص نقطۂ نظر سے کی اور اپنی رپورٹ میں جماعت کی یک رخی تصویر پیش کی۔

☆..... یہ کہ اس نے سارے مواد کو اس طرح پیش کیا کہ جن انتہائی نتائج تک وہ شوریٰ کو پہنچانا چاہتی تھی ان کی تائید اس مواد سے حاصل ہو۔

☆..... یہ کہ آپ محسوس کر رہے تھے کہ رپورٹ کی اس مخصوص ہیئت سے مجلس شوریٰ کے ذہنی توازن پر برا اثر پڑ سکتا ہے اور آپ اس اثر سے شوریٰ کو بچانا چاہتے تھے لیکن آپ کو اس فرض کی انجام دہی سے سختی اور تلخی سے روکا گیا۔

☆.... یہ کہ جتھہ بندی کر کے آپ کے لئے وہ حالات پیدا کیے گئے کہ آپ مخصوص لوگوں کے آلۂ کار اور ان کے اشاروں پر چلنے والے بن کر رہیں۔

یہ سارے الزامات میرے نزدیک غلط ہیں اور میں ان کے بارے میں اصل حقیقت عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

رپورٹ میں جماعت کی یک رخی تصویر سے آپ کا مطلب اگر یہ ہے کہ اس میں جماعت کے اندر پیدا ہو جانے والی خرابیوں ہی کی فہرست پیش کی گئی ہے' اس کی خوبیاں نہیں دکھائی گئی ہیں' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جائزہ کمیٹی درحقیقت بنی ہی اس لئے تھی کہ وہ ارکان سے مل کر ان کی بے اطمینانیاں اور ان بے اطمینانیوں کے اسباب معلوم کرے اور اس وقت جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں' ان کی تحقیقات کرے۔ اس کے ذمہ یہ کام سپرد ہی نہیں کیا گیا تھا کہ وہ جماعت کی خوبیاں اور اس کے اچھے پہلو بھی پیش کرے۔ اپنا یہ کام اس نے دو سو سے زیادہ ارکان کے خیالات معلوم کر کے انجام دیا۔ ان ارکان سے ملنے میں اس نے کوئی امتیاز نہیں برتا، بلکہ ہر رکن کو اجازت دی کہ جو چاہے اس کے سامنے اپنا بیان دے۔ ان ملنے والوں میں سے جن لوگوں نے جماعت کے موجودہ حالات پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا' کمیٹی نے ان کے اوسط کو بھی واضح کر دیا۔ پھر یہ الزام کس طرح صحیح ہے کہ یہ جماعت کی یک رخی تصویر ہے' ان کے سامنے آئے ہوئے مواد سے اطمینان اور بے اطمینانی کی جو تصویر بنتی تھی وہ انہوں نے ہمارے سامنے رکھ دی۔ اب یہ بات الگ ہے کہ اس مسالہ سے جو تصویر بنی وہ ہمارے منشا کے خلاف بنی۔ لیکن میرے نزدیک اس بدگمانی کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر اس سے مختلف مواد بھی ان کے سامنے آتا جب بھی وہ جماعت کی تصویر بگاڑنے ہی کی کوشش کرتے۔

مواد کے پیش کرنے کے اسلوب کے بارے میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس طرح کیوں پیش کیا' دوسری طرح کیوں پیش نہیں کیا۔ لیکن جب شوریٰ کی طرف سے اس کے پیش کرنے کی کوئی شکل معین نہیں کی گئی تھی تو جس طرح بھی انہوں نے پیش کیا' اس کے متعلق یہ بدگمانی کرنا کہ انہوں نے یہ اسلوب شوریٰ کو گمراہ کرنے اور اپنے پیش نظر نتائج تک پہنچانے کے لئے کیا، میرے نزدیک ان کے ساتھ بڑی زیادتی ہے۔ اگر وہ کسی خاص نتیجہ تک شوریٰ کو پہنچانا ہی چاہتے تو آخر انہوں نے صرف ارکان کی رائیں پیش کرنے ہی پر کیوں اکتفا کیا۔ ان خرابیوں کے اسباب خود اپنی طرف سے کیوں معین نہ کئے اور ان کی اصلاح

کی تدابیر کے بارے میں سفارشات کیوں نہ پیش کیں' حالانکہ یہ دونوں چیزیں ان کے حدود کار کے اندر داخل تھیں اور ہمیں یہ شکایت رہی کہ انہوں نے اس پہلو سے رپورٹ کو تشنہ چھوڑا۔ اگر فی الواقع آپ کا یہ گمان صحیح ہے کہ یہ ایک ہی طرح کے ذہن کے لوگ تھے تو ان کے لئے یہ کیا مشکل تھا کہ وہ اسباب کی بھی ایک فہرست پیش کر دیتے اور اپنی اصلاحی سفارشات بھی ہمارے سامنے رکھ دیتے۔ اس طرح وہ شوریٰ کو اس سے زیادہ خوبی سے گمراہ کر سکتے تھے جتنا گمراہ انہوں نے محض یہ مواد ہمارے سامنے رکھ کر کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے تو جو کچھ کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ارکان نے جو بیانات دیئے ہیں وہ بیشتر انہی کے الفاظ میں مختلف عنوانات کے تحت نقل کر دیئے ہیں۔ آخر اس میں سازش کا کون سا پہلو ہے؟

جہاں تک تیسرے الزام کا تعلق ہے' وہ بھی میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ مشکلات میں شوریٰ کی رہنمائی کرنا آپ کا ایک فریضۂ منصبی ہے لیکن ارکان شوریٰ کی رایوں پر اثر انداز ہونا غالباً آپ کے فرائض کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ آپ نے جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کے بارے میں جو روش اختیار کی وہ ابتداء ہی سے ارکان شوریٰ کے سامنے اس نوعیت سے آئی کہ یہ جماعت کی بالکل یک رخی تصویر ہے' اس میں حدود کار سے تجاوز کیا گیا ہے' اس میں جماعت میں پھیلی ہوئی گندگیوں کو اکٹھا کر دیا گیا ہے جس کے سبب سے یہ غلاظت کے ایک ٹوکرے کی شکل میں نظر آتی ہے' وغیرہ وغیرہ۔ اور مزید برآں یہ کہ آپ نے اس کو اپنے خلاف ایک چارج شیٹ قرار دے کر امارت سے استعفے کی دھمکی بھی دے دی۔ آپ کے اس نقطۂ نظر سے ان چند لوگوں کے سوا جو آپ کی رایوں ہی سے اپنی رائے بناتے ہیں' شوریٰ کے تمام صاحبِ فکر ارکان نے اختلاف کیا' انہوں نے آپ کے نقطۂ نظر کے برعکس جائزہ کمیٹی کی خدمات کو سراہا' رپورٹ کی اہمیت کا اظہار کیا اور اس کے ذریعہ سے جماعت کی جو تشویش انگیز تصویر سامنے آئی تھی اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی دعوت دی۔ سلطان صاحب کو تقریر کرتے وقت میں نے پہلی بار جماعت کی حالت پر پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا اور ان کے رونے نے بہتوں کو رُلایا۔ غازی صاحب اس قدر روئے کہ اسی حالت میں ان پر دل کا دورہ پڑا اور ان پر تشنج کے ایسے سخت حملے ہوئے کہ ہم ان کی زندگی ہی سے مایوس ہو گئے۔ شب کے بارہ بجے ڈاکٹر بلانا پڑا۔ میں نے یہ ماجرا شوریٰ کی پوری تاریخ میں پہلی بار دیکھا۔ میری اور میری ہی طرح شوریٰ کے اکثر ارکان کی رائے یہی تھی کہ یہ تأثر صورتحال کا پیدا کردہ ہے جو جائزہ کمیٹی کی رپورٹ سے سامنے آئی تھی' لیکن آپ کے فرمانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ آپ کا ذاتی

بند کرنے کیلئے ایک ڈراما کھیلا گیا تھا۔ اب اس کا فیصلہ کون کرے کہ یہ سب کچھ ایک ڈراما تھا یا حقیقت! جتھہ بندی کا الزام بھی میرے نزدیک کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ جائزہ کمیٹی کے ارکان کا جماعت کے حالات سے متعلق ایک متفقہ تأثر دینا کوئی جتھہ بندی نہیں ہے اور نہ اپنے اوپر آپ کے عائد کردہ الزامات کی متفقہ طور پر مدافعت کرنا کوئی جتھہ بندی ہے۔ یہ بھی کوئی جتھہ بندی نہیں ہے کہ رپورٹ کو پڑھنے کے بعد شوریٰ کے بہت سے دوسرے ارکان بھی جماعت کی حالت کے بارے میں ان کے ہم خیال بن گئے۔ انہوں نے رپورٹ مرتّب کی اور آپ کے حوالہ کی۔ آپ نے اپنے اہتمام میں اس کو سائیکلو اسٹائل کرایا اور شوریٰ کے اجلاس سے چند گھنٹے پہلے وہ ارکان شوریٰ میں تقسیم ہوئی۔ ان میں سے کون سی بات ایسی ہے جس کو ان کی طرف سے جتھہ بندی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ اگر شوریٰ کے دوسرے ارکان نے ان کی پیش کردہ رپورٹ کو اہمیت دی اور آپ کے ہم خیال ہو کر اس کو غلاظت کا ایک ٹوکرا قرار دینے پر راضی نہیں ہوئے' تو کیا یہ جتھہ بندی ہے؟ اور جتھہ بندی بھی وہ جتھہ بندی جس کی سزا ان کو شوریٰ سے بیک بنی و دو گوش اخراج کی صورت میں بھگتنی چاہئے۔ کیا رپورٹ پیش کر دینے کے بعد ان کا ایک فرض یہ بھی تھا کہ وہ شوریٰ کے ارکان سے کہتے کہ آپ رپورٹ کے بارے میں ہمارے نقطۂ نظر سے متفق نہ ہوں ورنہ یہ جتھہ بندی ہو جائے گی اور ہمارے امیرِ جماعت کی طرف سے اس کی کم سے کم سزا شوریٰ سے اخراج ہے۔ اچھا میں نے تھوڑی دیر کے لئے یہ مان لیا کہ یہ جتھہ بندی تھی تو کیا یہ جتھہ بندی نہیں تھی کہ آپ نے شروع ہی میں شوریٰ کو رپورٹ سے متعلق ایک مخالفانہ تأثر دے دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شوریٰ کے کچھ ارکان شروع ہی سے اس بات کیلئے کمربستہ ہو گئے کہ وہ بہرحال اس کی مخالفت کریں گے اور اس کے لئے انہوں نے دلائل کے بجائے طنز و استہزا بلکہ ناگوار خاطر نہ ہو تو میں یہ کہوں گا کہ پھکڑبازی سے کام لیا اور شوریٰ کے ماحول کو بہت خراب کیا۔

اس جتھہ بندی کا مقصد' آپ کا منہ بند کرنے کے سوا آپ نے یہ بھی بتایا ہے کہ آپ کو بعض مخصوص لوگوں کا آلۂ کار بنانا تھا۔ اگر یہ مخصوص لوگ شوریٰ سے باہر کے ہیں تب تو یہ فی الواقع ایک زیادتی ہے اور اگر آپ اسے ثابت کر سکیں تو بلاشبہ یہ ایک جرم بنتا ہے' لیکن آپ نے زبانی گفتگو کے وقت مجھ سے یہ فرمایا ہے کہ اس سے آپ کی مراد شوریٰ ہی کے اندر کے لوگ ہیں۔ اگر شوریٰ ہی کے اندر کے لوگ ہیں تو اس دستور کے تحت جس کی وفاداری

کا آپ نے حلف اٹھایا ہے' ان کی اکثریت کا آلۂ کار بننے میں آپ کو عار نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں اگر شوریٰ کے اندر کی کوئی اقلیت آپ سے یہ چاہتی تھی کہ آپ اس کے اشاروں پر چلیں تو آپ کا یہ فرض تھا کہ آپ انکار کر دیتے۔ یہ بات دستور کے بالکل مطابق ہے اور کوئی شخص اس پر آپ کو ملامت نہیں کر سکتا۔ معاملہ کی آئینی اور دستوری حیثیت تو یہ ہے لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں جماعت اسلامی کی شوریٰ کی یہ ایک مستقل روایت ہے کہ اس میں کسی مؤثر اختلاف کو نظر انداز کرنے کا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا بلکہ ایسی حالت میں بیچ کی کوئی ایسی راہ اختیار کی جاتی رہی ہے جس سے اتفاق کی صورت پیدا ہو جائے۔ شوریٰ کی تاریخ میں ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے اور اس کو کبھی یہ رنگ نہیں دیا گیا کہ یہ کسی کا آلۂ کار بن جاتا ہے۔ بسا اوقات ایک نقطۂ نظر کی تائید میں عددی اکثریت اگرچہ نہیں ہوتی لیکن معنوی اکثریت ہوتی ہے۔ اس کا اگر لحاظ نہ رکھا جائے تو اگرچہ جماعت میں کوئی تشتت نہ بھی پیدا ہو جب بھی کسی پروگرام پر دلجمعی اور سرگرمی سے عمل نہیں ہو سکتا۔ اگر اس طرح کی کسی مصلحت کے تحت آپ نے کسی فارمولے سے اتفاق کیا تو یہ بہت اچھا کام کیا۔ جماعت کو اختلاف یا جمود سے بچانے کیلئے ایک دانشمند امیر کی حیثیت سے آپ کو یہی کرنا چاہئے تھا۔ لیکن میں حیران ہوں کہ جس مصلحت کو آپ نے شوریٰ کے اندر اہمیت دی وہ مصلحت شوریٰ کے ختم ہو جانے کے بعد آپ کی نگاہوں سے کیوں اوجھل ہو گئی؟ کیا آپ کا اندازہ یہ ہے کہ شوریٰ کے متفقہ فیصلہ کے خلاف آپ کا یہ اقدام اس سے بڑے تشتت کا موجب نہ ہو گا جتنا اس صورت میں متصور تھا جب کہ آپ شوریٰ کے اندر ہی مخصوص لوگوں کے اشاروں کے پابند ہونے سے انکار کر دیتے؟

۵۔ صورتحال کا یہ نقشہ پیش کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ آپ کیلئے دو ہی صورتیں باقی رہ گئی تھیں' یا تو آپ استعفیٰ پیش کر دیتے یا جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا خطرہ مول لے کر اس صورتحال کو سختی سے دبا دیتے۔ آپ نے پہلی صورت اختیار کرنی چاہی لیکن شوریٰ نے آپ کو یہ صورت اختیار کرنے نہیں دی۔ دوسری صورت آپ نے اختیار نہ کی کہ اس سے جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا خطرہ تھا۔ چاروناچار آپ نے شوریٰ کو ان غلط نتائج پر پہنچ جانے کے لئے چھوڑ دیا' جن پر آپ کے خیال کے مطابق جائزہ کمیٹی کے ارکان اور ان کے جتھے کے شرکاء شوریٰ کو پہنچانا چاہتے تھے۔

آپ نے اپنے استعفاء کی جو وجہ بیان کی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں آپ سے سہو ہو

رہا ہے۔ میری موجودگی میں آپ کے استعفے کی جو وجہ آپ کی جانب سے پیش کی گئی تھی وہ یہ نہیں تھی کہ کوئی جھگڑا بندی ہو گئی ہے یا آپ کا منہ بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے بلکہ یہ بیان کی گئی تھی کہ چونکہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ میں آپ پر بہت سے الزامات ہیں' اس لئے آپ یہ چاہتے ہیں کہ ان امور پر ارکان شوریٰ کسی دوسرے شخص کی رہنمائی میں غور کریں تاکہ ان کی رائے پر آپ کے اثرانداز ہونے کا کوئی سوال پیدا نہ ہو۔ ارکان شوریٰ میں سے طفیل صاحب کے سوا شاید کسی نے بھی آپ کی علیحدگی کی یہ وجہ معقول تسلیم نہیں کی' کیونکہ رپورٹ میں صرف آپ پر ہی الزامات نہیں تھے بلکہ اکثر ارکانِ شوریٰ پر بھی تھے۔ یہاں تک کہ خود جائزہ کمیٹی کے ارکان پر بھی تھے' اس وجہ سے کوئی بھی اس پوزیشن میں نہ تھا کہ امارت کا عہدہ سنبھال لیتا تو وہ سوال نہ پیدا ہوتا جو آپ کی امارت کی صورت میں پیدا ہوتا۔ اس وجہ سے شوریٰ کی اکثریت اور بھاری اکثریت نے بہتری اسی میں سمجھی کہ اب صورتحال جیسی کچھ بھی ہے اس کا سب مل کر مواجہہ کریں اور یہ کام آپ کی رہنمائی ہی میں ہو۔ خوش قسمتی سے آپ نے شوریٰ کا یہ نقطۂ نظر تسلیم کر لیا اور تعطل دور ہو گیا۔

شوریٰ کو ایک غلط نتیجہ پر پہنچ جانے دینے کے لئے آپ نے جو عذر پیش کیا ہے اس کا ایک حصہ تو صحیح ہے کہ جماعت میں تفریق کا اندیشہ تھا اور یہ چیز فی الواقع ایسی تھی جس سے جماعت کو بچانا ضروری تھا' لیکن میں یہ سوال ضرور کروں گا کہ جن نتائج پر شوریٰ پہنچی کیا وہ آپ کے نزدیک اتنے مہلک اور غلط ہیں کہ شوریٰ کے ختم ہوتے ہی آپ نے نہ صرف شوریٰ کے فیصلہ کو الٹ دیا بلکہ ایک سازش کا مفروضہ کھڑا کر کے سارے آئین و قانون کی بساط ہی لپیٹ کر رکھ دی اور جس تفریق کے اندیشہ سے آپ نے اس فیصلہ کو قبول کیا تھا' اسی تفریق کا دروازہ اس سے زیادہ وسیع پیمانے پر کھول دیا؟

ذرا سوچئے تو کہ شوریٰ کی قرارداد میں ایسی کون سی ہلاکت چھپی ہوئی ہے جس کے خطرہ نے آپ کو اتنے بڑے اقدام پر آمادہ کر دیا؟ کیا یہ خطرہ کہ انتخابی سرگرمیوں میں سرِدست آپ حصہ نہ لیں گے بلکہ زیادہ زور تعمیری کاموں پر صرف کریں گے؟ اگر اس وقت انتخابی سرگرمیوں سے صرفِ نظر کر کے تعمیری پروگرام پر زور لگائیں گے تو آخر جماعت تباہ کیوں ہو جائے گی؟ کیا انتخابی سرگرمیوں میں حصہ لینا اور وہ بھی اس مرحلہ میں کوئی دین کے واجبات میں سے ہے؟ کیا تعمیری جدّوجہد آپ کے نزدیک انتخابات کے لئے میدان ہموار نہیں کرے گی؟ کیا لوگ موجودہ قیادت کو آپ کی قیادت سے بدلنے کیلئے اتنے بے تاب و بے قرار ہیں کہ اگر

آپ نے میدان میں اترنے میں دیر لگائی تو کفربازی لے جائے گا اور اسلام ہار جائے گا؟ موجودہ حالات میں اگر آپ انتخابات لڑیں گے اور اپنے اصولوں پر قائم رہ کر لڑیں گے تو میرا خیال ہے اور آپ کے تمام اہل الرائے رفقاء اس خیال سے متفق ہیں کہ شاید اس سے بھی برا حشر ہو جو پنجاب کے انتخاب میں ہو چکا ہے اور اگر آپ دو ایک سیٹوں پر کہیں کامیاب بھی ہوں گے تو شاید اپنے شائع کردہ اصولوں کی اس سے بھی زیادہ قربانی دینی پڑے گی جتنی دو سیٹوں کیلئے بہاولپور میں دینی پڑی۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ آخر شوریٰ کی اس تجویز میں وہ کیا خطرناکی ہے جس کے اندیشہ سے آپ نے یہ اقدام کر ڈالا؟ اس قرارداد کا بڑا حصہ آپ کا اپنا مرتب کردہ ہے۔ صرف انتخابی سرگرمیوں سے متعلق حصہ ایسا ہے جس کے الفاظ اس کمیٹی کے تجویز کردہ ہیں' جو غالباً آپ ہی کے ایماء پر شوریٰ کے دونوں نقطہ ہائے نظر کے وکیلوں پر مشتمل بنی تھی اور ردّ وقدح کے بعد آپ نے بھی ان الفاظ کو قبول کیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں' اور ساتھ ہی اس پورے گروپ نے اس کو قبول کیا جو انتخابی سرگرمیوں ہی کو اب کُل دین بنائے بیٹھا ہے۔

شوریٰ کی اس قرارداد میں لٹریچر کے حجت ہونے اور نہ ہونے سے متعلق جو شق ہے وہ محض آپ کی خواہش پر رکھی گئی اور اس سے آپ کا مقصود درحقیقت ان لوگوں سے جان چھڑانا تھا جو ہمارے ہی لٹریچر کا آئینہ ہمارے سامنے پیش کر رہے تھے اور ہم اس میں اپنے چہرے دیکھنے سے گھبراتے تھے۔ اس چیز کا مطالبہ نہ جائزہ کمیٹی نے کیا تھا نہ ان کے ہم نواؤں نے لیکن یہ عجیب ستم ہے کہ اب اس شق کو بھی آپ کی مظلومیت کے ایک ثبوت کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے کہ دیکھو جائزہ کمیٹی والوں نے مولانا مودودی کے لٹریچر کو بھی مردود قرار دے دیا۔

بہرحال میں بالکل نہیں سمجھ سکا کہ آخر اس تجویز نے وہ کیا خطرہ پیدا کر دیا تھا جس سے بچاؤ کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ جماعت اسلامی کا امیر ایک آمرِ مطلق کی تلوار سنبھال لے؟ میں انتخابات کے معاملہ میں کبھی یہ نہیں سمجھا تھا کہ اب آپ کے نزدیک بھی جماعت اسلامی کا مرنا اور جینا اسی کیلئے ہے۔ رہی نظریات کی کشمکش تو کم از کم اس قرارداد کے اندر تو اس کا کوئی جرثومہ موجود نہیں ہے۔ یہ تو جماعت کی تمام سابقہ پالیسی کی واضح الفاظ میں تصدیق کرتی ہے۔ صرف تدابیر کی بعض غلطیوں کو تسلیم کرتی ہے اور وہ بھی تردّد کے ساتھ۔

۶۔ شوریٰ کے اس اجلاس میں جن لوگوں نے آپ کی حمایت میں ایک سرکاری پارٹی کا پارٹ ادا کیا' ان کی صفائی میں آپ نے فرمایا ہے کہ یہ جائزہ کمیٹی اور اس کے حامیوں کی جتھہ بندی کا ردِّ عمل تھا۔ میں اس کو بھی واقعہ کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ جائزہ

کمیٹی کے خلاف ایک پارٹی شوریٰ کے اندر اور باہر پہلے ہی سے موجود تھی اور اس کی قیادت کی زمام خود مرکز کے ہاتھ میں تھی۔ میرے لئے یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اس کو خود آپ کی آشیرباد حاصل تھی لیکن جائزہ کمیٹی کے ساتھ آپ کا رویہ چونکہ شروع ہی سے غیر ہمدردانہ رہا' اس لئے یہ پارٹی جرأت کے ساتھ جائزہ کمیٹی کے خلاف بدگمانیاں پھیلاتی رہی۔ بدقسمتی سے جب رپورٹ سامنے آئی تو معلوم نہیں کیوں آپ نے اس کو اپنے خلاف ایک چارج شیٹ سمجھ لیا۔ آپ کے اس تأثر کا سامنے آنا تھا کہ وہ سارے لوگ جو آپ کی خواہش کے خلاف کسی چیز کا تصور بھی نہیں کر سکتے' ایک پارٹی کی شکل میں رپورٹ کی مخالفت کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ میرے نزدیک اس طرح جماعت اسلامی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جماعت کے اندر جماعتیں بننے کا آغاز ہوا اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر اس چیز کو اسی وقت نہ روکا گیا تو جماعت اور تحریک بڑے برے انجام سے دوچار ہو گی لیکن اسی کے ساتھ مجھے اس امر میں بھی اب کوئی شبہ نہیں رہا کہ اس چیز کو روکنے کیلئے آپ نے جو الٹا قدم اٹھایا ہے اس نے جماعت اور تحریک کو اس برے انجام سے دوچار کر دیا ہے اور اب خدا ہی ہے کہ جو جماعت کو اس انجام بد سے بچا سکتا ہے۔

۷۔ اس میں شبہ نہیں کہ شوریٰ کی قرارداد جہاں تک اس کے اس حصہ کا تعلق ہے جو جماعت کی پالیسی کے بارے میں رہنمائی دیتی ہے' ایک مصالحتی فارمولے پر مبنی ہے۔ اس فارمولے کے متعلق آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ ایک جتھے نے اپنی شدت' ہٹ اور مشترک کوشش بلکہ جماعت میں تفریق پیدا ہو جانے کے خطرہ کا دباؤ ڈال کر آپ کو اور شوریٰ کے بقیہ ارکان کو اس کے ماننے پر مجبور کیا اور اس طرح گویا جماعت کی تاریخ میں مصالحتی فارمولے کی بدعت شروع ہوئی۔ اس کے متعلق میں یہ عرض کروں گا کہ اگر ضد اور ہٹ اور جتھہ بندی سے آپ کی مراد شوریٰ کے دونوں گروپوں کا اپنے اپنے نقطۂ نظر پر اصرار ہے تو یہ چیز بلاشبہ موجود تھی اور اگر یہ چیز کوئی جرم ہے تو میں یہ کہوں گا کہ اس جرم میں دونوں گروپ برابر کے شریک ہیں۔ اب ایسی صورت میں کیا ہونا اور کیا کرنا ممکن تھا۔ فرض کر لیجئے کہ اسی گروپ کی بات مان لی جاتی جو یہ کہہ رہا تھا کہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ نے حالات اور خرابیوں کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ قابلِ اعتنا نہیں ہے' اگر صحابہؓ کے زمانہ میں بھی کوئی جائزہ کمیٹی بیٹھتی تو وہ بھی اسی طرح کی رپورٹ پیش کر دیتی جس طرح کی رپورٹ جائزہ کمیٹی نے پیش کی ہے' اس وجہ سے جو کچھ ہو رہا ہے وہی کرتے رہنا چاہئے' اس وقت اصل کام انتخابات کا ہے نہ کہ تعمیرِ سیرت و تطہیرِ اخلاق کا' تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا؟ باہر اس کا جو نتیجہ نکلتا وہ نکلتا' خود شوریٰ کے اندر اس کا نتیجہ یہ

نکلتا کہ آپ کی شوریٰ کے اہل الرائے کی اکثریت یا تو اس نقطۂ نظر کو قبول نہ کرتی یا قبول کرتی تو سخت بددلی کے ساتھ۔ اس پالیسی کو قبول کرنے کیلئے صرف جائزہ کمیٹی کے ارکان ہی تیار نہیں تھے بلکہ باقر خان صاحب، صادق صاحب، وصی مظہر صاحب، مولانا عبدالحق صاحب اور چودھری عبدالحمید صاحب میں سے کوئی صاحب بھی تیار نہیں تھے۔ حد یہ ہے کہ چودھری غلام محمد صاحب بھی اپنی تقریر میں انتخابات اور انقلابِ قیادت کے بارے میں اپنی بے اطمینانی کا اظہار کر چکے تھے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اگر ان لوگوں کی بات نہ مانی جاتی تو یہ سب جماعت کو چھوڑ جاتے، لیکن جس پالیسی پر شوریٰ کے ایسے ارکان غیر مطمئن تھے، آخر یہ پالیسی کن لوگوں کے بل پر چلتی اور اگر چلتی تو بتایئے کہ وہ کس انجام تک پہنچتی؟ ایسی صورت میں جن لوگوں نے مصالحتی فارمولے کی سوچی، میرے نزدیک تو وہ جماعت کے بڑے ہی خیرخواہ تھے اور انہوں نے ایک مصالحتی فارمولا تلاش کر کے جماعت کو ایک بڑے خطرہ سے نکال لیا، اور آپ نے بھی بڑی ہی دانشمندی کا کام کیا تھا کہ ان کو مان لیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ اس کو مان لینے اور منوا لینے اور شوریٰ کے اختتام پر اس کی کامیابی کی دعا کر چکنے کے بعد اب آپ اس کو جماعت اسلامی کی بدقسمتی کا آغاز سمجھتے ہیں اور جماعت کو اس کی ہلاکتوں سے بچانے کیلئے آپ نے اور بعض اُن حضرات نے جہاد کا اعلان کر دیا ہے جو نہ صرف اس فارمولے کو ماننے والے رہے ہیں بلکہ اس کی تصنیف میں بھی انہوں نے بسلامتیٔ ہوش وحواس حصہ لیا تھا۔ مصالحتی فارمولے کا ذکر آپ نے کچھ ایسے انداز سے فرمایا ہے گویا جماعت کی تاریخ میں یہ کوئی بہت بڑی بدعت ہوئی ہے جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ہے، حالانکہ مصالحتی فارمولا خصوصاً تدابیر کے معاملہ میں، نہ کوئی کفر و بدعت ہے نہ ہماری شوریٰ کی تاریخ میں کوئی نئی بات ہے۔ ہم ہمیشہ سے جس طریق پر گامزن رہے ہیں وہ یہی ہے کہ شوریٰ میں متفقہ فیصلہ کر کے اٹھتے رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی تھی کہ ہمارے یہاں کوئی اختلافِ رائے نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ جب کبھی شوریٰ میں کسی مسئلہ پر مؤثر اختلافِ رائے محسوس کیا جاتا تھا تو کسر وانکسار کے اصول پر اس اختلاف کو تجاویز میں سمونے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ مصالحتی فارمولے کی اصل روح یہی ہوتی ہے اور یہی اس مرتبہ بھی ہوا۔ اگر اس چیز سے جماعت اس سے پہلے نہیں تباہ ہوئی تو اب کیوں اس پر قیامت ٹوٹ پڑے گی؟

یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی کہ شوریٰ کا یہ اجلاس کوئی دن دو دن نہیں رہا بلکہ

پورے پندرہ روز اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ اس فارمولے کے تمام امکانات و مضمرات آپ کے سامنے تھے۔ میں اس دوران میں بار بار آپ سے یہ عرض کرتا رہا کہ اگر انتخابات کے بارے میں اس وقت صرفِ نظر کی پالیسی اختیار کر لی جائے تو اختلاف رفع ہو جائے گا اور آپ نے مجھ سے ہر بار یہی فرمایا کہ انتخابات کا معاملہ ایسا کیا معاملہ ہے کہ جس سے صرفِ نظر نہ کیا جا سکے۔ اس فارمولے کے بنانے والے چودھری غلام محمد صاحب، نعیم صدیقی صاحب، سلطان احمد صاحب، باقر خان صاحب اور غالباً وصی مظہر صاحب ہیں۔ جب اس کمیٹی نے شوریٰ کے سامنے یہ فارمولا پیش کیا تو تھوڑی سی بحث کے بعد آپ نے اور دوسرے سب لوگوں نے اس کو مان لیا۔ اگر یہ فارمولا جماعت اسلامی کی بدقسمتی کا آغاز تھا تو اسی وقت آپ نے فرما دیا ہوتا کہ میں ایک فرض شناس امیر کی حیثیت سے اس بدقسمتی کا آغاز کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ لیکن اس وقت تو آپ نے اس کا آغاز فرمانا منظور کر لیا اور اپنی فرض شناسی آپ کو یاد نہ آئی، لیکن جب ارکان کو اتحاد و اتفاق کی تلقین، اور دعا و درود کے بعد مجلس برخاست ہو گئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو سدھار چکے تو آپ کو اپنی فرض شناسی یاد آئی۔ جماعت کی تاریخ میں مصالحتی فارمولوں کی مثالیں تو مجھے ملتی ہیں، لیکن امیر کی فرض شناسی کی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی، اور میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی فرض شناسی کی مثال شاید ہی کوئی امیر یا وزیر پیش کر سکے۔ آپ کے اصحاب میں سے جو لوگ جماعتی زندگی کی نزاکتوں کو نہیں سمجھتے، جن کے نزدیک جماعت اسلامی نام ہی آپ کی ذات کا ہے ان کو تو میں کچھ کہنا بے فائدہ سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ کی اس قلابازی نے معاف کیجئے میرے اس حسنِ ظن کو بڑا ہی نقصان پہنچایا ہے جو میں آپ سے رکھتا تھا۔

۸۔ یہ ساری تمہید استوار کرنے کے بعد آپ جائزہ کمیٹی پر وہ فردِ جرم عائد کرتے ہیں جس کے تحت آپ کو امیرِ جماعت ہونے کی حیثیت سے، اس کے ارکان کو، سخت سے سخت سزا دینے کا حق حاصل ہو سکے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں یہ رائے قطعاً نہیں رکھتا بلکہ مجھے اس کا شبہ بھی نہیں ہے کہ جائزہ کا یہ پورا کام اور مجلس شوریٰ میں جائزہ کمیٹی کے ارکان کا کردار ایک دانستہ سازش کا نتیجہ تھا۔ لیکن میرا احساس یہ ہے کہ اس سے عملاً وہی نتائج برآمد ہوئے ہیں جو ایک دانستہ سازش سے برآمد ہو سکتے تھے۔ میں جب آپ کی لکھی ہوئی ان سطروں کو پڑھتا ہوں تو سب سے پہلا اثر اس کا جو مجھ پر پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کے ان جبّاروں اور ڈکٹیٹروں کے خلاف میرا غصہ بہت کم ہو جاتا ہے جنہوں نے اپنے نہایت وفادار ساتھیوں پر

سازشوں کے الزام لگائے اور ان کو دار پر کھینچا۔ اگر آپ محض اختلافِ رائے کی بناء پر سلطان احمد صاحب، مولانا عبدالغفار حسن صاحب، غازی عبدالجبار صاحب اور عبدالرحیم اشرف صاحب جیسے لوگوں پر سازش کا الزام لگا سکتے ہیں تو دنیا کے دوسرے ڈکٹیٹروں نے اگر اپنے اقتدار کو بچانے کیلئے اخلاق اور سیرت کے لحاظ سے ہمارے مذکورہ رفیقوں سے کہیں کم تر درجے کے لوگوں پر سازشوں کے الزام لگائے تو میرے نزدیک کوئی بڑا گناہ نہیں کیا۔

آپ کہیں گے کہ میں نے ان پر دانستہ سازش کا الزام تو نہیں لگایا بلکہ یہ کہا ہے کہ انہوں نے جو کام کیا ہے اس سے نتائج وہ بر آمد ہوئے ہیں جو ایک دانستہ سازش کے ہوتے ہیں لیکن یہ کہنے سے نہ صرف یہ کہ ان پر لگائے ہوئے الزام میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ اس سے سازشوں کا ایک نیا فلسفہ ہمارے سامنے آتا ہے جو اس سے پہلے کسی کو نہیں سوجھا تھا۔ اب تک تو ہم یہی سمجھتے رہے ہیں کہ سازش وہی ہوتی ہے جو سازش کے ارادہ سے کی جاتی ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ نہیں سازش صرف وہی نہیں ہے جو سازش کے ارادہ کے ساتھ کی جائے بلکہ ہر وہ کام سازش ہے جو خواہ کتنے ہی نیک ارادہ کے ساتھ کیا جائے لیکن اس کا نتیجہ ہماری خواہش کے خلاف نکلے۔ اگر ایسا ہو تو ہم اس کو سازش قرار دے کر اس کے مرتکب کو وہی سزا دے سکتے ہیں جو ایک سازشی کو دی جا سکتی ہے اگر یہ فلسفہ آپ سے پہلے دوسروں کو بھی معلوم ہوتا تو اپنے سے مختلف نقطۂ نظر رکھنے والوں کو سزا دینے کے معاملہ میں وہ بہت سی قانونی موشگافیوں سے بچ جاتے۔ وہ بھی آسانی سے یہ کہہ سکتے کہ فلاں نے اگرچہ فلاں کام سازش کے ارادے سے نہیں کیا ہے، لیکن چونکہ اس کے فعل کا نتیجہ وہی نکلا ہے جو ایک سازش سے بھی نکل سکتا ہے، اس لئے یہ سازش ہے اور اس لئے یہ سازش کی سزا کا مستحق ہے۔ معلوم نہیں سازش کے اس فلسفہ کا ماخذ اسلام میں کیا ہے؟

لیکن محض آپ کے اتنے کرم سے ان بے چاروں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ آپ ان کو دانستہ سازش کرنے والا نہیں قرار دیتے۔ جبکہ بہت سے ایسے کام انہوں نے آپ کے خیال میں دانستہ کئے ہیں جو بالآخر اس سازش پر منتج ہوئے ہیں مثلاً آپ کے ارشاد کے مطابق انہوں نے مندرجہ ذیل جرائم دانستہ کئے ہیں:۔

☆.....ایک یہ کہ انہیں اچھی طرح علم تھا کہ وہ ایک ہی طرح کے غیر مطمئن لوگ ہیں، لیکن انہوں نے اس کو راز رکھا، نہ آپ کو اس سے آگاہ کیا اور نہ شوریٰ کے ارکان کو۔

☆.....دوسرا یہ کہ انہوں نے مجلس شوریٰ کے تجویز کردہ حدودِ کار سے تجاوز کیا۔ خود اپنے

حدودِ کار کو وسیع کر لیا اور ان امور کی تحقیقات اپنے ذمہ لے لی جن کی وہ خود تحقیقات کرنا چاہتے تھے۔

☆..... تیسرا یہ کہ انہوں نے مجلسِ شوریٰ میں ایسے حالات پیدا کئے جن میں دوسرا رکنِ شوریٰ تو درکنار 'امیرِ جماعت بھی خود اپنی رائے آزادی کے ساتھ ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔

☆..... چوتھا یہ کہ انہوں نے ساری تحقیقات ایک مخصوص نقطۂ نظر سے کی اور اپنی رپورٹ میں جماعت کی صرف یک رخی تصویر پیش کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سارے مواد کو اس طرز پر مرتب کیا کہ جن انتہائی نتائج تک وہ مجلسِ شوریٰ کو پہنچانا چاہتے تھے ان کی تائید اس پورے مواد سے حاصل ہو۔

☆..... پانچواں یہ کہ انہوں نے جتھہ بندی کر کے آپ کے لئے ایسے حالات پیدا کئے کہ امیر جماعت کے فرائض انجام دینے کے بجائے آپ بعض مخصوص لوگوں کے آلہ کار اور ان کے اشاروں پر چلنے والے بن کر رہیں۔

☆..... چھٹا یہ کہ ان لوگوں نے آپ کو مجبور کر دیا کہ آپ مجلس شوریٰ کو ان غلط نتائج پر پہنچ جانے دیں جن پر یہ حضرات اپنی جتھہ بندی کے ذریعے سے مجلس شوریٰ کو پہنچانا چاہتے تھے۔

☆..... ساتواں یہ کہ ان لوگوں نے اپنی ضد' بے جا اصرار' شدّت اور جتھہ بندی کے زور سے مجلس شوریٰ کے اندر آپ کے حامیوں کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ ایک مخالف پارٹی کی حیثیت سے نمایاں ہوں۔

☆..... آٹھواں یہ کہ اپنی بات منوانے کیلئے مجلس شوریٰ میں آنے سے پہلے انہوں نے جماعت کے فراہم کئے ہوئے موقع سے فائدہ اٹھا کر پوری جماعت میں اپنے ہم خیال لوگ ڈھونڈے 'ان کا ایک جتھہ بھی شوریٰ کے باہر تیار کیا' ان کے انفرادی خیالات و نظریات کو جمع کر کے ان کا ایک مقدمہ بنایا' اس مقدمہ کی پشت پر جماعت کے ان سارے لوگوں کی شکایات و اعتراضات کو جمع کیا جن کے وہم و گمان میں بھی اس خاص مقدمہ کو مضبوط کرنے کا تخیل نہ تھا۔ پھر اس سارے سروسامان سے لیس ہو کر یہ حضرات یکایک مجلس شوریٰ کے سامنے ایک پارٹی کی صورت میں نمودار ہوئے اور پوزیشن یہ اختیار کی کہ ان کے نظریات صرف انہی کے نظریات نہیں ہیں بلکہ باہر' غیر مطمئن لوگوں کی ایک کثیر تعداد' ان کی پشت پر ہے' لہٰذا یہ مجلس شوریٰ اسی راستہ پر چلے جس پر وہ اسے چلانا چاہتے ہیں ورنہ جماعت میں ایک بڑی پھوٹ پڑ کر رہے گی۔

یہ آٹھ جرائم تو انہوں نے آپ کے ارشاد کے مطابق دیدہ ودانستہ اور بسلامتیٔ ہوش وحواس کئے ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس کے بعد یہ فیصلہ دینے میں کیوں ہچکچائے کہ جائزہ کمیٹی کا یہ سارا کام اور مجلس شوریٰ میں جائزہ کمیٹی کے ارکان کا کردار ایک دانستہ سازش کا نتیجہ تھا۔ غالباً آپ نے یہ خیال فرمایا ہو گا کہ آپ کے ان واضح مقدمات کے بعد جب ایک غبی سے غبی آدمی بھی اس نتیجہ تک خود بخود پہنچ جائے گا تو آخر اس نتیجہ کو ظاہر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ صاف صاف بات کہنے کے بجائے کیوں نہ لگے ہاتھوں احتیاط اور تقویٰ کا بھی کچھ مظاہرہ کر دیا جائے۔

بہرحال میرے نزدیک یہ ایک غیر مبہم حقیقت ہے کہ آپ نے جائزہ کمیٹی کے ارکان پر ایک منظم سازش کا الزام لگایا ہے اور یہ سازش ایسی منظم تھی کہ اس کے جال میں نہ صرف شوریٰ کے بعض ارکان پھنس گئے بلکہ پوری شوریٰ امیر سمیت ایک ایسے فیصلہ پر اپنے انگوٹھے ثبت کرنے پر مجبور ہو گئی جو آپ کے نزدیک جماعت کو تباہ کرنے والا ہے۔

میں جب آپ کی دی ہوئی روشنی میں اس سارے معاملے پر غور کرتا ہوں تو آپ کا کیس یہ بنتا ہے کہ درحقیقت اس گمراہی کے فیصلہ کے لئے کچھ لوگوں نے تو سازش اور جتھہ بندی کی اور کچھ اس سازش اور جتھہ بندی سے مجبور ہو گئے۔ خود آپ اپنے آپ کو اس دوسرے گروہ میں شامل سمجھتے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کے لئے میرے نزدیک صحیح صورت 'دستور کے بموجب یہ تھی کہ آپ پھر شوریٰ کا اجلاس بلاتے اور اس کے سامنے اپنا یہ نقطۂ نظر رکھتے اور اس ساری سازش کا پردہ چاک کرتے 'تاکہ ارکان شوریٰ صحیح روشنی میں سارے معاملہ پر نظر ثانی کرتے اور ان لوگوں کو سزا دیتے جو ان کو گمراہ کرنے کیلئے اس سازش کے مرتکب ہوئے تھے۔

اگر خدانخواستہ شوریٰ اسی طرح پھر گمراہ ہو جاتی جس طرح پہلی مرتبہ ہو گئی تھی تو پھر آپ کے لئے دوسرا راستہ 'دستور کی رو سے' یہ تھا کہ آپ ارکان کا اجتماعِ عام بلاتے اور وہاں شوریٰ کے خلاف اپنا مقدمہ پیش کرتے اور شوریٰ کو اس کا موقعہ دیتے کہ وہ اپنی صفائی پیش کرے۔ اس کے بعد اگر ارکان جماعت شوریٰ کے حق میں فیصلہ دیتے تو آپ مستعفی ہو جاتے اور اگر آپ کے حق میں فیصلہ دیتے تو شوریٰ مستعفی ہو جاتی اور آپ دوسری شوریٰ کا انتخاب کرا لیتے۔ میرے نزدیک معاملہ کے طے کرنے کا آئینی اور باعزت طریقہ یہ تھا۔ شوریٰ کے جس فیصلہ کے خلاف آپ نے یہ اقدام کیا ہے' وہ جن حالات میں بھی ہوا ہے بہرحال بالاتفاق ہوا

ہے۔ اس کے متعلق یہ معلوم کرنا ابھی باقی ہے کہ اپنی مجبوری اور بے بسی کا جو شکوہ اس فیصلہ کو مان چکنے کے بعد آپ کر رہے ہیں اور اس کا جو پس منظر آپ بنا رہے ہیں اس سے دوسرے ارکانِ شوریٰ بھی متفق ہیں یا نہیں؟

لیکن یہ معقول اور آئینی طریقہ اختیار کرنے کے بجائے آپ نے یہ راستہ اختیار کیا کہ جائزہ کمیٹی کے چار ارکان کو یہ حکم دے دیا کہ وہ اپنے استعفے لکھ کر بھیج دیں ورنہ آپ ان کے متعلق حلقوں کو یہ لکھ دیں گے کہ اگر وہ آپ سے امارت کی خدمت لینا چاہتے ہیں تو وہ اپنے ان نمائندوں کو واپس لے کر دوسرے نمائندے منتخب کریں اور ان کے بقیہ ہم خیالوں کو یہ دھمکی دے دی کہ آپ ان سے بعد میں نمٹیں گے۔

میں حیران ہوں کہ آپ کسی رکنِ شوریٰ سے کس حق کی بناء پر یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ وہ شوریٰ کی رکنیت سے استعفاء دے دے۔ اگر آپ یہ فرماتے ہیں کہ اس نے کوئی سازش کی ہے یا کسی سازش کا شکار ہوا ہے تو یہ ایک الزام ہوا جو آپ کی طرف سے اس پر لگایا جا رہا ہے۔ یہ الزام کسی موزوں جماعتی عدالت میں ثابت کئے بغیر کس طرح آپ کو 'یہ حق حاصل ہے کہ آپ اس کو نہ صرف یہ کہ مجرم بنا ڈالیں بلکہ اس کو سزا بھی دے دیں اور پھر اس سے یہ مطالبہ بھی کریں کہ وہ آپ کے حکم سے خود پھانسی کا پھندا اپنی گردن میں ڈال لے۔

آپ کسی حلقہ کے لوگوں کے سامنے ان کے نمائندے کا معاملہ اگر پیش کر سکتے ہیں تو یا تو اس حیثیت سے پیش کر سکتے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی الزام ثابت ہو چکا ہے اس لئے وہ اس کو واپس بلا لیں یا اس حیثیت سے پیش کر سکتے ہیں کہ اس کے خلاف آپ کو کوئی شکایت ہے جس کی حلقہ والوں کو تحقیق کرنی ہے اور پھر اس پر فیصلہ دینا ہے۔ پہلی صورت یہاں موجود نہیں تھی اور دوسری صورت میں یہ ضروری تھا کہ آپ تحقیق اور فیصلہ دونوں ان پر چھوڑتے 'لیکن آپ نے یہ کیا ہے کہ ایک فیصلہ بھی پہلے ہی سے کر کے ان پر لاد دیا ہے جس کو اگر وہ نافذ نہ کریں تو آپ استعفاء دے دیں گے۔ آخر کس حلقہ کے لوگوں کی شامت آئی ہوئی ہے کہ وہ ایک رکن شوریٰ کی خاطر امیر جماعت کو مستعفی ہونے پر مجبور کرنے کا خطرہ مول لیں۔ آپ کا یہ کہنا بھی ایک بالکل ہی بے معنی بات ہے کہ لوگوں کو اپنے حلقہ والوں کے سامنے صفائی پیش کرنے کا پورا حق ہو گا۔ جب حلقہ والے اپنے فیصلہ میں آزاد نہیں ہیں تو ان کے سامنے صفائی پیش کرنے سے کیا حاصل؟ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ کسی حلقہ والوں کو اپنا منتخب کردہ نمائندہ اس کی کسی کوتاہی یا نااہلی کی بناء پر واپس بلا لینے کا حق ایک معقول حق ہے 'لیکن یہ ایک بالکل

مختلف بات ہے اس بات سے کہ آپ کسی حلقہ کے نمائندے کو واپس کر دیں کہ یہ سازشی ہے' در آن حالیکہ آپ نے اس کی سازش کسی جماعتی عدالت میں ثابت نہیں کی ہے۔

آپ کے قیم جماعت نے اپنی معروف سادگی کے ساتھ فرمایا تھا کہ اگر کسی شخص سے یہ کہا جائے کہ بھئی آپ کو شوریٰ کی رکنیت سے استعفاً دے دینا چاہئے تو جماعتی مزاج کا تقاضا تو یہی ہے کہ وہ استعفاء دے دیں۔ میں نے ان سے کہا کہ عام حالات میں تو یہ ہو سکتا ہے لیکن اگر آپ کسی رکن سے یہ کہیں کہ تم سازشی ہو اس لئے شوریٰ کی رکنیت سے استعفاً دے دو ورنہ ہم تمہارے حلقہ والوں سے مطالبہ کریں گے کہ تم کو واپس بلا لیا جائے' تو وہ آپ سے ضرور پوچھے گا کہ حضرت میرے سازشی ہونے کا ثبوت کیا ہے؟

پھر جائزہ کمیٹی کے ارکان کا معاملہ الگ الگ چار انفرادی ارکان کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک کمیٹی کا معاملہ ہے جس نے اگر کوئی جرم کیا ہے تو ایک کمیٹی کی حیثیت میں کیا ہے۔ ایک جرم جو مشترک نوعیت سے کیا گیا ہے اس کے مجرموں کو الگ الگ عدالتوں میں بھیج کر ان کے مقدمہ کی سماعت کرانے کا طریقہ ایک نرالا طریقہ ہے اور غالباً سب سے پہلے اس کا تجربہ جماعت اسلامی ہی کرے گی۔

جائزہ کمیٹی کے ارکان میں سے دو غیر علاقائی ارکان ہیں۔ آخر ان غیر علاقائی ارکان کے معاملہ کو حلقہ وار اجتماعات میں رکھنے کا کیا تک ہے؟ اگر ان کا معاملہ پیش ہو سکتا ہے تو ارکان کے اجتماع عام میں' اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے سامنے جائزہ کمیٹی کی رپورٹ بھی پیش ہو۔

بہرحال میں اس معاملے پر جس پہلو سے بھی غور کرتا ہوں' کم از کم میری سمجھ میں تو آتا نہیں۔ اب تو صورت گویا یہ بنی کہ جو شخص شوریٰ کا رکن بنے وہ اگر چاہے تو ادب سے آپ کی خدمت میں کوئی گذارش کر دیا کرے' لیکن اگر اس نے اپنی رائے پر اصرار کیا یا آپ پر کوئی اعتراض اٹھایا یا اپنے زورِ استدلال سے کچھ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو گیا تو آپ اس سے خود استعفاء وصول کر لیں گے ورنہ اس کے حلقہ والوں کو لکھ دیں گے کہ اگر میری امارت چاہتے ہو تو اس سازشی کو واپس بلا لو! اگر یہی جمہوریت و شورائیت ہے تو اس کا درس بہت اچھی طرح مسولینی' ہٹلر اور اسٹالین دے گئے ہیں اور مذہبی روپ میں مرزا بشیرالدین محمود دے رہے ہیں۔ اس کے لئے قوم ہماری خدمات کی محتاج نہیں ہے۔

آپ نے از راہ عنایت' ملزم ارکان کو یہ موقع عنایت فرمایا ہے کہ آپ ان کو حلقہ وار

اجتماعات میں اظہار خیال کی آزادی دیں گے اور اگر وہ 'ارکان جماعت کی اکثریت کو ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو آپ قیادت ان کی طرف منتقل کر دیں گے۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ حلقہ وار اجتماعات میں آپ استعفے کی دھمکی کے ساتھ کھڑے ہو جائیں گے تو جماعت کی اکثریت آپ ہی کا ساتھ دے گی۔ بدقسمتی سے ——— جماعت کا مزاج شروع ہی سے کچھ ایسا بنا یا گیا ہے کہ ہمارے بہت سے ارکان دلائل کے بجائے 'اشخاص کی روشنی میں مسائل کو دیکھتے ہیں۔ یہ صورتحال ایک افسوس ناک صورتحال رہی ہے اور اس کی اصلاح ہونی چاہئے تھی' لیکن میں صفائی کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں نے اس صورتحال کی اصلاح کی جرأت کی ان کا منہ برابر بند کرنے کی کوشش کی گئی اور اب تو کچھ عرصے سے یہ حال ہے کہ مرکز میں باقاعدہ یہ نظریہ بنا لیا گیا ہے کہ تحریکیں اپنے اصولوں کے بل پر نہیں چلا کرتی ہیں بلکہ شخصیت کے بل پر چلا کرتی ہیں۔ چنانچہ اب جماعت کے سارے نظم ونسق کو اسی نظریہ کے تحت چلایا جا رہا ہے اور جو چیز بھی اس کے خلاف نظر آتی ہے' شدت کے ساتھ اس کو روکا جاتا ہے۔ میں غیر مبہم الفاظ میں یہ بات بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جائزہ کمیٹی اور شوریٰ کا فیصلہ نیز جائزہ کمیٹی کے ہم خیال ارکان شوریٰ کے خلاف آپ کا یہ تازہ اقدام بھی اسی نظریہ کا ایک مظہر ہے۔ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ سے غالباً پہلی مرتبہ آپ کو یہ احساس ہوا کہ جماعت میں اب بہت سے لوگ ان خرابیوں کو محسوس کرنے لگے ہیں جو مرکز کے غلط رجحان کے سبب سے پیدا ہو چکی ہیں اور شوریٰ میں غالباً پہلی مرتبہ آپ کو یہ تجربہ ہوا کہ شوریٰ کے اہل الرائے ان خرابیوں کی اصلاح کی ضرورت کو اس شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگے ہیں کہ آپ کے استعفے کی دھمکی کے باوجود بھی وہ اصلاح کی ضرورت کے قائل ہیں۔ اس چیز نے آپ کو گھبرا دیا' لیکن شوریٰ میں آپ نے دیکھ لیا کہ استعفے کی دھمکی سے بھی لوگوں کو دبایا نہیں جا سکتا۔ اس وجہ سے اس وقت تو آپ شوریٰ کا فیصلہ ماننے پر مجبور ہو گئے لیکن شوریٰ کے ختم ہو جانے کے بعد آپ نے یہ محسوس کیا کہ گر بہ کشتن روزِ اول باید' اگر یہ رجحان ترقی کر گیا تو پھر اس کا روکنا ناممکن ہو گا۔ چنانچہ اس کو روکنے کیلئے ایک قدم تو خاص مرکز کی قیادت میں یہ اٹھایا گیا کہ جماعتوں کے مقامی اجتماعات میں ایک مفروضہ سازش کا فسانہ اور آپ کی مظلومی اور بے کسی کا دکھڑا سنا سنا کر ارکانِ جماعت کو شوریٰ کی قرارداد کے خلاف خوب اکسایا گیا تاکہ حلقہ وار اجتماعات سے پہلے جائزہ کمیٹی' شوریٰ کی قرارداد اور جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کی تائید کرنے والے ارکان شوریٰ کے خلاف فضا خوب گرم ہو جائے' اور دوسرا قدم آپ نے

اپنے فرمان کی صورت میں اٹھایا تاکہ ان تمام ارکان شوریٰ کی سرکوبی کی جائے، جنہوں نے آپ کے حضور میں جرأت کے ساتھ اظہار رائے کی گستاخی اور شدت کے ساتھ اصلاحِ حال کا مطالبہ کیا۔ میرے نزدیک آپ کے اقدام کا اصلی محرک یہ ہے کہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ نے ایک طرف تو ہماری تصویر ہمارے سامنے رکھی ہے اور دوسری طرف اس کے ارکان نے ہمارے ہاتھ میں ہمارے ہی لکھے ہوئے لٹریچر کا آئینہ بھی پکڑا دیا ہے۔ اب جب اس آئینہ میں ہم اپنی صورت دیکھتے ہیں تو وہ بڑی ہی بھیانک نظر آتی ہے۔ ہم یہ ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں کہ فی الواقع ہماری صورت ہی مسخ ہو چکی ہے۔ اس وجہ سے اس کے سوا چارہ نہیں کہ یہ آئینہ ہی توڑ کر پھینک دیا جائے اور ساتھ ہی ان لوگوں کے سر بھی توڑے جائیں جو یہ تصویر اور یہ آئینہ ہمارے سامنے لائے ہیں۔

(دستخط) امین احسن اصلاحی

باب سوم

مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کی رفاقت کا تاریخی پس منظر

اور جماعتِ اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ

ارکانِ جائزہ کمیٹی پر الزام نامے کے جواب میں مولانا مودودی کے نام مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا یہ خط ـــ جسے بعد میں ایک موقع پر پاکستان میں شام کے سابق سفیر جناب عمر بہاء الامیری نے اس شکوے کے باوجود کہ "فیه بعض الخشونة" (اس میں قدرے درشتی پائی جاتی ہے) ایک قاضی کا فیصلہ قرار دیا اور مولانا اصلاحی کو مخاطب کر کے اعتراف کیا کہ "قد کتبت هذا الکتاب کما یکتب القاضی قضائه" (آپ نے یہ خط بالکل ایسے لکھا ہے جیسے ایک قاضی اپنا فیصلہ لکھتا ہے!) جماعت اسلامی کے ان دو چوٹی کے قائدین کے آپس کے تعلقات اور سترہ سالہ رفاقت کے اختتام کی تمہید بن گیا' اور اس خط کے ذریعے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے گویا مولانا مودودی پر عدم اعتماد کا تحریری اظہار کر دیا!

یہ چونکہ جماعت کی تاریخ کا ایک انتہائی اہم واقعہ ہے ـــ لہٰذا ضروری ہے کہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے اور اس کے لئے ان دونوں حضرات کے تعلقات کے تاریخی پس منظر پر ایک سرسری نظر ڈالنا بہت مفید ہے۔

اصحابِ ثلاثہ

۱۹۴۰ء میں جب جماعت اسلامی قائم ہوئی تو اس وقت جو لوگ مولانا مودودی کی دعوت پر جمع ہوئے ان میں اخلاص' تقویٰ اور للّٰہیت کے اعتبار سے تو ہو سکتا ہے کہ کچھ دوسرے لوگ

بہت آگے ہوں لیکن مشہور عالم دین اور معروف اہل قلم ہونے کے اعتبار سے متحدہ ہندوستان کی جانی پہچانی شخصیتوں میں سے مولانا محمد منظور نعمانی مدیر 'الفرقان' لکھنؤ اور مولانا امین احسن اصلاحی مدیر 'الاصلاح' سرائے میر اعظم گڑھ کے نام صفِ اول میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ اور مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے دو مشہور و معروف تلامذہ یعنی مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم صفِ ثانی میں سے قابل ذکر ہیں۔ مولانا مودودی' مولانا نعمانی اور مولانا اصلاحی نہ صرف یہ کہ عمر کے اعتبار سے تقریباً برابر تھے بلکہ علمی و صحافتی زندگی کے اعتبار سے بھی تقریباً ہم سن تھے۔ مولانا مودودی کا 'ترجمان القرآن' مولانا نعمانی کا 'الفرقان' اور مولانا اصلاحی کا 'الاصلاح'___ ان تینوں پرچوں کی اشاعت تقریباً ایک ہی وقت شروع ہوئی___ ان 'اصحابِ ثلاثہ' میں سے مولانا محمد منظور نعمانی پر دینی تعلیم کے قدیم سلسلے سے گہرے تعلق اور اصحابِ تقویٰ و احسان سے قریبی روابط کی بناپر علم دین کے ساتھ تقویٰ کا رنگ غالب تھا۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب مولانا حمید الدین فراہیؒ کے تلمیذ رشید ہونے کی بنا پر فہم قرآن میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے___ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جدید نظریات و افکار کے وسیع مطالعے اور نظام دین پر ایک مکمل ضابطۂ حیات ہونے کے اعتبار سے خصوصی نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک عام فہم' دل نشین اور شگفتہ طرزِ تحریر کے مالک ہونے کی وجہ سے جدید علمِ کلام میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔

جس زمانے میں مولانا مودودی متحدہ قومیت کے نظریئے اور نیشنلسٹ مسلمانوں کے موقف پر شدید تنقید کے ضمن میں مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے 'مسلم قوم پرستی' کے انتہائی مقام تک پہنچ گئے تھے' ایک بار 'الاصلاح' اور 'ترجمان القرآن' میں شدید ٹکراؤ بھی پیدا ہوا اور مولانا مودودی کے موقف پر مولانا اصلاحی نے اس اعتبار سے شدید تنقید کی کہ مسلم قوم پرستی فی نفسہٖ اسلام کے موقف کی صحیح ترجمانی نہیں ہے۔ لیکن جب مولانا مودودی نے اپنے نقطۂ نظر کو تبدیل کر لیا اور خالص اسلامی نقطۂ نظر کے تحت وہ مضامین لکھے جو ان کی کتاب "سیاسی کشمکش" کے حصہ سوم میں شامل ہیں تو مولانا اصلاحی نے ان کے نقطۂ نظر کی صحت کو تسلیم کر لیا اور اس طرح ان حضرات کے مابین تعاون اور اتحاد کی راہ ہموار ہوئی[1]

---

[1] اس موقع پر "تحریکِ جماعتِ اسلامی" کے حصہ اول کے دیباچے کے یہ الفاظ ذہن میں تازہ کر لئے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علمی و صحافتی تعارف سے قطع نظر مولانا مودودی سے ملاقات اور براہ راست ربط و تعلق کا موقع مولانا نعمانی کو مولانا اصلاحی سے پہلے ملا ـــــ اور جب مولانا مودودی نے خالص اسلامی نصب العین پیش کر کے " جماعت اسلامی " کے قیام کی دعوت دی تو مولانا نعمانی ہی نے مولانا اصلاحی کو مولانا مودودی کے بارے میں یہ اطمینان دلایا کہ اگرچہ ان کی شخصیت اس معیار پر تو پوری نہیں اترتی جو اقامتِ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جھنڈا اٹھانے والوں کے لئے لازمی ہے ـــــ تاہم مولانا مودودی ایک " کام چلاؤ " آدمی بہرحال ہیں اور ان کے ساتھ تعاون و اشتراک کیا جانا چاہئے۔ مولانا نعمانی کی اس رائے کے پس منظر میں جو جذبہ کارفرما تھا اس کی نشاندہی خود انہوں نے اپنے ایک حالیہ مکتوب میں ان الفاظ میں کی ہے :۔

" اسلام کی سربلندی کا نصب العین زیادہ سے زیادہ ان پھٹک اور کھود کرید کرنے نہیں دیتا تھا..... "

مولانا اصلاحی صاحب کی مودودی صاحب سے پہلی ملاقات جماعت میں شمولیت کے اعلان کے بعد ہوئی اور مولانا نعمانی صاحب کی رائے کے برعکس مولانا اصلاحی صاحب کی جو رائے مولانا مودودی کے بارے میں قائم ہوئی اس کا اظہار انہوں نے انہی دنوں مولانا نعمانی سے ایک نجی گفتگو میں بایں الفاظ کیا کہ :۔ " لا فرق بینہٗ و بین پرویز " (ان کے اور پرویز صاحب کے مابین کوئی فرق نہیں ہے!)

اس کے باوجود مولانا اصلاحی صاحب کا جماعت میں شامل رہنا اس بنا پر تھا کہ ان کے

(گزشتہ سے پیوستہ)

جائیں: " لیکن یہ بہرحال ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی کا قیام ان نظریات کی اساس پر نہیں ہوا جو مولانا مودودی نے 'سیاسی کشمکش' کے پہلے اور دوسرے حصوں میں بیان فرمائے ہیں بلکہ ان پر ہوا ہے کہ جو اس کے تیسرے حصے میں مفصل و مدلل بیان ہوئے ـــــ! ان نظریات کو اساس بنا کر مولانا نے ۱۹۴۰ء میں ایک اسلامی جماعت کی تشکیل کی دعوت دی جس کو قبول کرنے والوں میں وہ بھی تھے جو مولانا مودودی کے پہلے سیاسی موقف سے سخت اختلاف رکھتے تھے اور اس پر شدید تنقیدیں کر چکے تھے۔

لہٰذا 'تحریک جماعت اسلامی' کی ابتداء زیادہ سے زیادہ ۳۹۔۱۹۳۸ء سے شمار کی جا سکتی ہے۔ اس تحریک کے داعی یقیناً مولانا مودودی ہی ہیں لیکن ان کی جس دعوت پر جماعتِ اسلامی قائم ہوئی وہ سیاسی کشمکش حصص اول و دوم کی نہیں بلکہ صرف حصہ سوم کی ہے۔ " (صفحہ ۱۳)

نزدیک وہ مقصد اور نصب العین جس کے لئے کام کرنے کی دعوت مولانا مودودی صاحب نے دی تھی بہرحال بالکل صحیح تھا' اور دین کے اصل تقاضے اسی طریقے پر کام کرنے سے ادا ہو سکتے تھے جس طریقے پر کام کرنے کی دعوت مولانا مودودی نے دی تھی!

متذکرہ بالا پس منظر میں جو اجتماعیت قائم ہوئی ـــــ اس کا ایک پہلو تو یہ ظاہر ہے کہ اس میں داعی کی قوتِ جذب و کشش سے زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے برابر دخل جمع ہونے والوں کے ذوقِ انجذاب کو حاصل تھا ـــــ اور دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ دوسری قدیم یا ہم عصر دینی جماعتوں اور تحریکوں کے برعکس " جماعت اسلامی " کی اجتماعیت کی اساس و بنیاد کوئی "شخصیت" نہ تھی' بلکہ نصب العین اور مقاصد تھے ـــــ یہی وجہ ہے کہ اول روز ہی سے اس میں دستور اور قواعد و ضوابط کو بنیادی اہمیت حاصل رہی![1]

جماعت کا پہلا تنظیمی بحران

جماعت کے قیام کے بعد جب 'دارالاسلام' میں قرب میسر آیا اور ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے کے مواقع ملے تو جلد ہی مولانا محمد منظور نعمانی صاحب اور دوسرے بہت سے حضرات نے محسوس کیا کہ مولانا مودودی کی شخصیت کے بارے میں ان کے پہلے اندازے بھی

---

[1] یہاں مذکورۃ الصدر دیباچے کے یہ الفاظ لائق توجہ ہیں:-

"مولانا مودودی صاحب کو یقیناً اس کا حق ہے کہ اپنے ذہنی ارتقاء کے مختلف منازل اور اس سفر کے دوران لئے گئے موڑوں (Turns) کی تاریخ بیان فرماتے ہوئے ابتداء جہاں سے چاہیں کریں لیکن جماعتِ اسلامی کی تحریک کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس کی ابتداء اس طرز پر کرنا صرف اس صورت میں درست ہو سکتا تھا کہ " جماعتِ اسلامی " کچھ لوگوں کے مولانا مودودی صاحب کے ہاتھ پر "بیعت" کرنے سے معرض وجود میں آئی ہوتی۔ اس صورت میں کسی دستور کا مرتب ہونا اور امیرِ جماعت کا منتخب کیا جانا بے معنی ہوتا" (صفحہ ۱۲)

"چنانچہ جیسا کہ اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے یہ جماعت اس طرح وجود میں نہیں آئی کہ کچھ لوگوں نے مولانا مودودی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی ہو بلکہ اس کی تشکیل اس طرح ہوئی کہ کچھ لوگوں نے ایک نصب العین کے بعد' اس کی ایک مخصوص تشریح اور ایک مکمل دستور کے ساتھ وفاداری کا رشتہ استوار کیا اور پھر انہوں نے اپنے میں سے ایک امیر اور اس کی ایک مجلسِ شوریٰ منتخب کی اور ان کے مابین اختیارات کی حدود کو متعین کر دیا" (صفحہ ۱۴)

بہت مبالغے پر مبنی تھے اور یہ کہ ان کی شخصیت کو اس کام سے سرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے جسے لے کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں' چنانچہ اپنے قیام کے ایک ڈیڑھ سال کے اندر جماعت اسلامی اپنے پہلے بحران سے دوچار ہوگئی ـــــ اور مولانا محمد منظور نعمانی' مولانا ابوالحسن علی ندوی' مولانا جعفر پھلواروی اور دیگر بہت سی اہم اور معروف شخصیتوں سمیت جماعت اسلامی کے کل ارکان کی تقریباً ایک تہائی تعداد جماعت سے علیٰحدہ ہوگئی۔

مولانا اصلاحی کا موقف

اس موقع پر جو دو باتیں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ان حضرات سے کہیں وہ بعد کے پیش آمدہ واقعات کے اعتبار سے انتہائی اہم ہیں۔

ایک یہ کہ آپ حضرات چونکہ خود تدیّن و تقویٰ کے اعتبار سے بلند مقامات پر فائز ہیں لہٰذا آپ کے لئے جائز ہے کہ آپ مودودی صاحب کی شخصیت کے ان پہلوؤں پر تنقید کریں' جو تقویٰ کے منافی ہیں ـــــ لیکن میں چونکہ اس اعتبار سے خود تقریباً مولانا مودودی ہی کی سطح کا آدمی ہوں لہٰذا اس معاملے میں زبانِ طعن نہیں کھول سکتا!

دوسرے یہ کہ میں اگر جماعت میں شامل نہ ہوا ہوتا تو دوسری بات تھی' لیکن اب جبکہ میں جماعت اسلامی میں شامل ہو چکا ہوں تو اس سے علیٰحدگی کو معمولی بات نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک اب صحیح صورت یہ ہے کہ اصلاحِ احوال کی مقدور بھر کوشش کی جائے لہٰذا میں جماعت میں شامل رہ کر اس بات کی سعی کرتا رہوں گا کہ ہم لوگ ایک دوسرے کی اصلاح کرتے اور ایک دوسرے کی خامیوں کی تلافی کرتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں اور دین کی خدمت کی کوشش کریں۔

متذکرہ بالا بحران اور علیٰحدگیوں کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی جماعت کی صفِ اول میں مولانا مودودی کے ساتھ تنہا رہ جانے کی بنا پر جماعت کی تنظیم میں واضح طور پر شخص نمبر دو بن گئے ـــــ اول تو یہی بات کہ ایک شخص کسی جماعت میں واضح طور پر شخصِ دوم بن جائے اس کی پوزیشن کو نازک بنا دینے کے لئے کافی ہے ـــــ پھر جب صورت حال یہ ہو کہ مزاج اور نقطۂ نظر کے اعتبار سے اس کے اور امیر کے مابین نمایاں فرق موجود ہو اور وہ اپنے ذمے یہ کٹھن خدمت بھی لے لے کہ اسے مقاصد اور نصب العین سے تعلقِ خاطر کی بنا پر نہ صرف اس کے

ساتھ نباہ کرنا ہے بلکہ اس کی خامیوں اور کمیوں کی تلافی بھی کرنی ہے تو صورت حال اور بھی نازک ہو جاتی ہے ـــــ لیکن یہ حقیقت ہے اور اس سے شاید ہی کوئی شخص انکار کی جرأت کر سکے کہ مولانا اصلاحی صاحب نے اس نازک اور کٹھن ذمہ داری کو کمالِ ہمت و تحمل کے ساتھ مسلسل سولہ سترہ سال نبھایا۔

مولانا اصلاحی کی خدمات

اس پورے عرصے میں مولانا امین احسن اصلاحی مولانا مودودی کے دستِ راست رہے' اور پوری تن دہی اور انہماک کے ساتھ نہ صرف اس نصب العین کی خدمت میں لگے رہے جس کی خاطر جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی تھی' بلکہ جماعت کے اندر یا اس کے باہر کے حلقوں سے جب بھی کوئی حملہ مولانا مودودی کی ذات پر ہوا تو اس کی مدافعت میں بھی ہمیشہ مولانا امین احسن اصلاحی ہی سینہ سپر ہوئے حتیٰ کہ اس سلسلے میں انہیں اپنے دیرینہ دوستوں اور رفیقوں ہی کی نہیں بلکہ اپنے بزرگوں اور ممدوحوں و مخدوموں تک کی کبیدگیٔ خاطر برداشت کرنی پڑی۔

تقسیم ہند سے قبل یعنی جماعت اسلامی کے دورِ اوّل میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے تحریک اسلامی کی جو سب سے بڑی خدمت سرانجام دی وہ یہ تھی کہ اس تحریک کے اصول و مبادی اور اس کے طریق کار کے بعض انتہائی اہم پہلوؤں اور اس کی جدّوجہد کے نمایاں مراحل کو براہِ راست قرآن حکیم کی روشنی میں واضح اور مستحکم اساس پر مرتّب و مدوّن کیا ـــــ جس کے نتیجے میں "دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار" جیسی بلند پایہ اور مایۂ ناز کتاب منصۂ شہود پر آئی۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اسی کتاب کے اثر سے جماعت اسلامی کے لٹریچر میں مولانا مودودی صاحب کی بعض اہم اور بنیادی مگر سطحی اصطلاحات جیسے حکومتِ الٰہیہ کا قیام وغیرہ کا استعمال متروک ہوا' اور ان کی جگہ شہادتِ حق' اور اقامتِ دین کی قرآنی اصطلاحات رائج ہوئیں اور فی الجملہ جماعت کی تحریک پر دینی رنگ زیادہ گہرا ہوا ـــــ جماعت کی تقسیم ہند سے پہلے تک کی 'رودادوں' کے مطالعے سے دوسری حقیقت جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جماعتی زندگی کے مقتضیات اور اسلامی نظمِ جماعت کے اصول و فروع اور خدوخال کی وضاحت کے معاملے میں بھی مولانا امین احسن اصلاحی صاحب

نے اہم کردار ادا کیا۔[1]

تنظیمِ جماعت کے ضمن میں ایک اصولی اختلاف

اس تعاضد و تناصر کے ساتھ ساتھ اندر ہی اندر ایک معاملے میں مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی کے مابین اختلاف بھی رہا ــــ یہ معاملہ اسلامی نظامِ جماعت میں امیر کے اختیارات سے متعلق تھا۔ مولانا مودودی بحیثیتِ امیرِ جماعتِ اسلامی اپنے لئے غیر محدود اختیارات کے طلب گار تھے۔ ان کے نزدیک شوریٰ کا مقام صرف یہ تھا کہ امیر کو اپنے مشورے سے مطلع کر دے۔ اس کے مشورے کو قبول یا رد کر دینے کا مکمل اختیار امیر کو حاصل تھا گویا جدید اصطلاح میں مولانا مودودی کے نزدیک جماعت اسلامی کے امیر کو شوریٰ پر 'ویٹو' کا حق حاصل تھا ــــ اس کے برعکس مولانا اصلاحی شدت کے ساتھ اس رائے کے حامل تھے کہ اسلامی نظمِ جماعت میں امیر کو شوریٰ کے فیصلوں کا پابند ہونا چاہئے یہ ہو سکتا ہے کہ اس معاملے میں مولانا اصلاحی صاحب کے پیشِ نظر اس مسئلے کے خالص علمی (ACADEMIC) پہلوؤں کے علاوہ خاص طور پر جماعت اسلامی کے مخصوص حالات بھی ہوں، بہرحال مولانا اصلاحی صاحب ابتداء ہی سے اس معاملے میں اپنے نقطۂ نظر کو پوری قوت کے ساتھ پیش کرتے رہے ــــ حتیٰ کہ تقسیم ہند سے متصلاً قبل الٰہ آباد کے کل ہند اجتماع کے موقع پر منعقدہ مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں اس مسئلے پر خاصی تلخی بھی ہوئی ــــ تاہم تقسیم ہند سے قبل تک چونکہ جماعت کا فعال دور شروع ہی نہیں ہوا تھا لہٰذا اس معاملے کی اہمیت بھی زیادہ تر علمی (ACADEMIC) ہی رہی!

---

[1] یہی بات ہے جو "تحریکِ جماعتِ اسلامی" کے دیباچے میں اس طرح بیان ہوئی کہ:۔
"رہے ان کے (مولانا مودودی) کے مخصوص "کلامی نظریات" اور ان کا خاص تصورِ دین و تحریکِ اسلامی تو جہاں یہ واقعہ ہے کہ وہ اولاً بھی جماعت کی اساس میں موجود تھے اور بعد میں بھی پیہم اس کی رگ و پے میں سرایت کرتے رہے وہاں یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ کچھ اور اہل قلم کی تحریروں نے بھی جماعت اسلامی کے تصور دین اور تحریک اسلامی کے خطوط اور نقوش مرتب کرنے میں اہم حصہ ادا کیا اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی تصانیف تو اس معاملے میں انتہائی مؤثر ثابت ہوئیں۔ حتیٰ کہ یہ حقیقت ہے کہ جماعت کی تشکیل کے بعد اسکے تحریکی لٹریچر میں مولانا اصلاحی صاحب کی تحریروں کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے۔" (صفحہ ۱۳)

یک جان دو قالب

تقسیم ہند کے بعد بھی مسلسل نو دس برس تک مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی مزاج کے شدید اختلاف کے باوجود یک جان دو قالب ہو کر ساتھ کام کرتے رہے ـــ اور پاکستان کے عوام اور جماعت اسلامی کے ارکان تو کجا خود مرکزی مجلس شوریٰ کے زیادہ سے زیادہ ایک دو آدمیوں کے سوا کسی کو بھی اس کا احساس تک نہیں ہوا کہ ان دونوں حضرات کے مابین کسی معاملے میں کوئی قابل ذکر اختلاف موجود ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا انتہائی ایثار تھا کہ انہوں نے اپنی شخصیت کو بالکلیہ مولانا مودودی کی شخصیت میں ضم ہی نہیں، گم کر دیا اور اس معاملے میں انہوں نے صرف اپنے دیرینہ رفقاء اور بزرگوں کے طعنے ہی برداشت نہیں کئے بلکہ اغیار کی پھبتیاں تک سہیں۔ کسی نے انہیں مولانا مودودی کا انجلز قرار دیا ـــ اور کسی نے حکیم نورالدین! بہرصورت انہوں نے کبھی مولانا مودودی کے 'رجلِ ثانی' (SECOND MAN) قرار دیئے جانے میں عار محسوس نہ کیا۔

ایک اہم دستوری نکتہ

اوپر امیر اور شوریٰ کے مابین اختیارات کی تقسیم کے سلسلے میں مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے نقطۂ نظر کے جس اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے وہ بالآخر اس طرح طے ہوا کہ جماعت اسلامی پاکستان کے دستور میں امیر اور شوریٰ کے اختلاف کی صورت میں جماعت کے عام ارکان سے استصواب کی راہ حتمی طور پر متعین کر دی گئی اور طے کر دیا گیا کہ اگر جماعت کے ارکان کی اکثریت امیر کی رائے پر صاد کر دے تو شوریٰ خود بخود معزول ہو جائے گی اور نئی شوریٰ منتخب ہوگی۔ بصورت دیگر امیر معزول ہو جائے گا اور نئے امیر کا انتخاب ہوگا! ـــ

عملی صورتِ حال

اس سے یہ تو ضرور ہو گیا کہ نظری اعتبار سے جماعت اسلامی کے دستور میں امیر کے ساتھ شوریٰ کو بھی اہم اور مستقل بالذات حیثیت حاصل ہو گئی اور ان کے مابین نزاع کی صورت میں تصفیے کی ایک راہ متعین ہو گئی لیکن عملاً جماعت اسلامی پاکستان میں شورائیت بطور ایک نظام (INSTITUTION) کبھی رائج نہ ہو سکی۔

آزادی کے فوراً بعد جماعت اپنے فعّال دور میں داخل ہوگئی اور اس میں کچھ تو حالات اور واقعات کی رفتار اس قدر تیز رہی کہ ایک قسم کی ہنگامی صورت حال ہروقت طاری رہی جس میں مشاورت کے امکانات خود بخود ہی کم ہوجاتے ہیں ـــــ اور کچھ مولانا مودودی نے مسلسل یہ طرز عمل اختیار کیئے رکھا کہ ہر اہم فیصلہ خود کر لیتے اور اس کے تحت آئندہ کے لئے عملی اقدام کی ابتدا بھی ـــــ کسی جلسۂ عام کی تقریر یا اخباری بیان میں کر ڈالتے ـــــ اس کے بعد جب شوریٰ کا اجلاس ہوتا تو وہ غریب اس صورت حال سے دوچار ہوجاتی کہ ایک اقدام کیا جاچکا ہے اور اب جماعت کا وقار اور اس کے امیر کی عزت (PRESTIGE) صرف اس طرح قائم رہ سکتی ہے کہ جماعت اس لائحہ عمل (LINE OF ACTION) کو اختیار کر لے!

جماعت کی سِول سروس

پاکستان میں جماعت اسلامی نے جو طریق کار اختیار کیا ـــــ اور اس کے جو نتائج بر آمد ہوئے ان سب پر ایک سیر حاصل بحث "تحریک جماعت اسلامی" کے حصۂ اوّل میں کی جاچکی ہے لیکن موضوع زیر بحث کا تقاضا ہے کہ اس کے چند مزید گوشوں کو روشنی میں لایا جائے!

پاکستان میں جماعت کے کام کی تیز رفتاری اور اس کے تیزی کے ساتھ وسعت پذیر ہونے کے یہ نتائج تو ظاہر ہی ہیں کہ نہ نئی بھرتی کے لئے سابقہ معیار قائم رکھا جاسکا اور نہ نئے آنے والوں کے لئے تربیت کا خاطر خواہ اہتمام ہوسکا ـــــ لیکن عواقب کے اعتبار سے اس کا سب سے زیادہ خطرناک نتیجہ جو بر آمد ہوا وہ یہ تھا کہ نووارد اور ہر اعتبار سے خام مگر 'تیز' کارکنوں کو 'تیزی' کے ساتھ جماعت میں آگے بڑھنے کے مواقع مل گئے۔ اوّل تو جو لوگ جماعت کے اس 'سیاسی دور' میں جماعت میں شامل ہوئے ان کے ذہن کی ساخت اور مزاج کی افتاد میں فطری طور پر شروع ہی سے 'سیاست' کا رنگ غالب تھا' ـــــ پھر تیزی سے بڑھتی ہوئی ضروریات کے تحت جب جماعت کی CIVIL SERVICE توسیع پذیر ہوئی تو اس میں ایک فطری ضرورت کے تحت وہ لوگ کھپائے گئے جو جماعت سے تعلق کی بنا پر سرکاری ملازمتوں سے علیحدہ کیئے گئے ـــــ ظاہر ہے کہ یہ سب لوگ بلا استثناء علم دین سے بالکل کورے تھے اور بقول شخصے صرف تفہیمات اور تنقیحات کے 'فارغ التحصیل' تھے۔ حد یہ ہے کہ ان میں سے ایک اچھی بھلی تعداد نے جماعت کے تمام لٹریچر کو بھی بالاستیعاب نہ پڑھا تھا ـــــ اور ان کے بڑے بڑوں کے لئے بھی مولانا اصلاحی صاحب کی تحریریں تو بہت 'مشکل' اور

'روکھی' تھیں ہی! ___ جماعت کے حالیہ طریق کار کے پیش نظر جو سب سے بڑا وصف ان لوگوں میں تلاش کیا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ وہ تقریر کر سکیں، اچھے منتظم ہوں اور دفتری و تنظیمی ذمہ داریوں کو باقاعدگی اور نفاست کے ساتھ ادا کر سکیں یعنی یہ کہ فی الجملہ "تیز کارکن" ہوں چنانچہ ان میں سے جو جتنا 'تیز' ثابت ہوا اسی قدر تیزی کے ساتھ مقامی اور ضلعی جماعتوں کی قیمیت سے ہوتا ہوا قیمِ حلقہ کے مقام تک جا پہنچا ___ اور دیکھتے ہی دیکھتے جماعت کی پوری مشینری پر ان حضرات کا مکمل تسلط ہو گیا۔

'اہل علم' جماعت میں اول تو پہلے ہی کم تھے ___ پھر ان کی بھی ایک بڑی تعداد ہندوستان میں رہ گئی ___ اور پاکستان کی جماعت کے حصے میں جو آئے وہ رفتہ رفتہ آٹے میں نمک کے برابر ہوتے چلے گئے۔ رہے دینی مزاج رکھنے والے متدیّن اور سنجیدہ و متین لوگ تو ان کا کچھ عرصے تک تو احترام کیا جاتا رہا اور بعض ذیلی امارتوں پر ایسے حضرات فائز رہے، لیکن رفتہ رفتہ یہ منصب بھی ان 'نکمے اور سست' لوگوں سے چھین کر 'مستعد کارکنوں' کے حوالے کر دیئے گئے ___ حتیٰ کہ حلقوں کی امارت پر بھی یہی 'کارکن' لوگ قابض ہو گئے! ___ اور رفتہ رفتہ صورت یہ ہو گئی کہ یہی لوگ مولانا مودودی کے اصل دست و بازو اور جماعت اسلامی کی اصل قوت و طاقت بن گئے ___ اور اہل علم اور متدیّن مزاج لوگ پیچھے ہٹتے اور گوشوں میں سمٹتے چلے گئے ___ لے دے کے صرف ایک خیریت رہی اور وہ یہ کہ جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ میں خصوصاً غیر علاقائی نشستوں پر بالعموم اہل علم اور متدیّن لوگ ہی منتخب ہوتے رہے اور اس میں آخر وقت تک ایسے حضرات کو ایک مؤثر حیثیت حاصل رہی اور اگرچہ ان وجوہات کی بنا پر جو اوپر بیان ہو چکی ہیں، یہ لوگ جماعت کی مجموعی پالیسی پر کبھی اثر انداز نہ ہو سکے تاہم اتنا ضرور ہوا کہ مرکزی مجلس شوریٰ میں 'کارکن' حضرات کو زیادہ سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکا اور علم اور اہل علم کا ایک وقار اور دبدبہ اس طرح قائم رہا کہ نئے نئے فلسفے اور نظریات اور تازہ رجحانات جو جماعت کے اس فعّال عنصر میں پیدا ہوئے وہ اگرچہ عملاً جماعت کی رگ و پے میں سرایت کرتے رہے تاہم شوریٰ میں کبھی بار نہ پا سکے بلکہ شوریٰ میں بالعموم ان پر نکیر ہی ہوتی رہی!

شخصیت گری[1]

ان نئے نظریات میں سب سے زیادہ خطرناک نظریہ یہ تھا کہ تحریکیں مجرد اصولوں کے

---

[1] PERSONALITY CULT

بل پر نہیں چلا کرتیں بلکہ شخصیتوں کے بل پر چلا کرتی ہیں لہٰذا جماعت اسلامی کی کامیابی کے لئے لازمی ہے کہ مولانا مودودی کی شخصیت کو ابھار کر سامنے لایا جائے۔ اس خیال نے خاص طور پر اس وقت بہت زور پکڑا جب ۱۹۵۱ء میں سابق صوبہ پنجاب میں جماعت کو انتخابات میں بری طرح شکست ہوئی اور 'کارکن' حضرات کے حوصلوں اور امنگوں کو زبردست دھچکا لگا۔ اس وقت جہاں ایک طرف یہ سوچا گیا کہ ٹھیٹھ اصول پرستی کو ترک کر کے عوام میں مقبولیت کے لئے کچھ نعرے (SLOGANS) اختیار کئے جائیں، وہاں ایک دوسری راہ یہ تجویز ہوئی کہ مولانا مودودی کو جلد از جلد پاکستان کا "قائداعظم" بنا دیا جائے — بدقسمتی سے پاکستان کے ابتدائی چند سالوں میں جماعت اسلامی کی "مطالبے" کی مہموں اور ان کی خصوصی تکنیک نے ملک کی فضا میں ایک وقتی اور عارضی سا تہلکہ واقعۃً مچا دیا تھا اور اسی ضمن میں خاص طور پر کراچی کے چند جلسوں میں مولانا مودودی کو بڑی بھاری تعداد میں سامعین نے سنا تھا۔ اس بنا پر اس کا امکان محسوس کیا گیا کہ 'پیراں نمی پرند مریداں می پرانند' کے اصول پر کام کیا جائے تو بہت جلد مولانا مودودی کو پاکستان کا قومی رہنما اور ہیرو بنایا جا سکتا ہے — چنانچہ ایک طرف جماعت کے ادیبوں اور انشاپردازوں نے مولانا مودودی کی ذات کے مختلف پہلوؤں کو عظمت اور تقدّس کے خوش نما فریموں میں سجا کر عوام کے سامنے پیش کرنا شروع کیا اور دوسری طرف استقبالوں، جلوسوں، استقبالیہ دعوتوں، سپاسناموں اور نذرانے کی تھیلیوں کے ذریعے کم سے کم ایک بار تو انہیں ایک مکمل قومی لیڈر کے روپ میں پیش کر ہی دیا گیا۔

جماعت میں اس نئے رجحان نے پرانے سنجیدہ اور متدیّن لوگوں کو سخت پریشان کر دیا اور ان کی جانب سے اس قسم کی سرگرمیوں پر ناپسندیدگی کا اظہار ہونا شروع ہوا، لیکن اول تو اس مہم کی سرکردگی مرکز کے فعّال عناصر کر رہے تھے اور دوسرے یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ اس معاملے میں ان حضرات کو مولانا مودودی کی مکمل تائید نہیں تو کم از کم اشیرواد ضروری حاصل تھی۔ مولانا مسعود عالم مرحوم نے خود مولانا مودودی کی ذات میں اس رجحان کو بہت پہلے محسوس کر لیا تھا اور یہ بات انہیں جس قدر ناپسند تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے شعبے (دارالعروبہ) کو جماعت کے مرکز سے دور ہی رکھا۔ مولانا عبدالغفار حسن صاحب نے ایک بار ان سے اس معاملے میں استفسار کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپ مرکز سے دور ہی رہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا:۔

"مولانا مودودی چاہتے ہیں کہ میں دارالعروبہ کے ذریعے عرب ممالک میں

ان کی ذات کا پروپیگنڈہ کروں لیکن جب تک میں دارالعروبہ میں موجود ہوں انشاءاللہ ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی!"

اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس رجحان کی مزاحمت ہر کسی کے بس کی بات نہ تھی اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے سوا جماعت میں اور کسی شخص کو یہ مقام حاصل نہیں تھا کہ وہ اس فتنے کی سرکوبی کر سکے۔ چنانچہ یہ ناخوشگوار فرض انہی کو انجام دینا پڑا اور وقتاً فوقتاً جب بھی اس نظریئے نے جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ میں سر اٹھایا انہوں نے اس کی سختی سے مذمت کی اور بارہا ایسا ہوا کہ انہیں اس نظریئے کے علمبرداروں کو درشتی سے ڈانٹ دینا پڑا ــــ! اور یہ بات مولانا مودودی کے معتقدین کے نزدیک اس امر کا کافی ثبوت بن گئی کہ مولانا اصلاحی مولانا مودودی کی بڑھتی ہوئی شہرت اور روز افزوں مقبولیت کی بنا پر ان سے حسد کرنے لگے ہیں!

دوسرا بحران اور مولانا اصلاحی

ان حقائق کو پس منظر میں رکھ کر ان واقعات پر غور کیا جائے جو جائزہ کمیٹی اور اس کی رپورٹ کے بعد پیش آئے تب صورتِ حال کی صحیح تصویر سامنے آتی ہے۔ ۵۵ء میں جبکہ جماعت کو پاکستان میں ایک خاص نہج پر کام کرتے ہوئے آٹھ سال ہو چکے تھے' جماعت کے عام ارکان کی جانب سے جماعت کی پالیسی اور طریق کار اور خصوصاً اس کے دینی و اخلاقی انحطاط کے بارے میں تشویش کا ایک عام اور پرزور اظہار ہوا' اس وقت تو مولانا مودودی نے غالباً بربنائے 'حکمت' اس عام بے چینی اور بے اطمینانی کا مواجہہ کرنے کی بجائے جائزہ کمیٹی کے تقرر کو غنیمت سمجھا لیکن بعد میں یہی جائزہ کمیٹی ان کے گلے کا ہار بن کر رہ گئی!

جماعت کے مرکز کے 'فعال' اور 'کارکن' عنصر نے جائزہ کمیٹی کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں بھی ڈالیں لیکن مرکزی مجلس شوریٰ میں ان کی پیش نہ گئی اور پہلی جائزہ کمیٹی پر اعتراض کیے گئے تو شوریٰ نے اسے توڑ کر ایک دوسری جائزہ کمیٹی مقرر کر دی ــــ ایک سال کے بعد جب یہ جائزہ کمیٹی اپنی رپورٹ لے کر شوریٰ کے سامنے پیش ہوئی تو اس کے جمع کردہ مواد نے شوریٰ کی ایک فیصلہ کن اکثریت کو اس قطعی نتیجے پر پہنچا دیا کہ جماعت ایک بالکل غلط رخ پر بڑھ آئی ہے۔ اور اب خیریت اسی میں ہے کہ اس کے رخ کو تبدیل کر دیا جائے ! مولانا مودودی اور ان کے ہم خیال لوگوں نے پہلے خود جائزہ کمیٹی پر جرح کرنے کی کوشش کی

لیکن جائزہ کمیٹی کے اراکین کی وضاحتوں نے اس حملے کو پسپا کر دیا۔ بدرجۂ مجبوری مولانا مودودی نے اپنے استعفے کے ذریعے اظہارِ ناراضگی کیا لیکن شوریٰ کا تأثر اس قدر گہرا تھا کہ ان کی یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی ـــــ اور جماعت اسلامی کی تاریخ میں غالباً پہلی اور آخری مرتبہ مجلس شوریٰ نے مولانا مودودی کے مقابلے میں اپنے موقف پر اصرار کیا ـــــ اب جماعت کے دستور کی رو سے مولانا مودودی کے سامنے دو ہی راستے کھلے رہ گئے تھے۔ یا یہ کہ شوریٰ سے مفاہمت کر لیں ـــــ اور یا پھر اپنے اور شوریٰ کے نزاع کو لے کر عام ارکان کے سامنے پیش ہوں۔ اس صورت میں مولانا مودودی بحیثیت امیر جماعت ایک فریق ہوتے اور پوری مرکزی شوریٰ فریقِ ثانی بنتی! ـــــ مولانا مودودی نے پہلی راہ اختیار کی اور ایک مصالحتی فارمولے پر دستخط ثبت کر کے 'بقول مولانا اصلاحی' دعا و درود کے بعد شوریٰ برخاست ہو گئی۔

یہ تو سوائے عالم الغیب و الشہادۃ کے کوئی نہیں جانتا کہ مولانا واقعتہً مصالحت پر آمادہ ہو گئے تھے ـــــ یا ان کا یہ اقدام خالص "حکمتِ عملی" پر مبنی تھا لیکن جو کچھ عالم واقعہ میں ظہور پذیر ہوا وہ یہ تھا کہ ایک طرف ان کے فعال اور کارکن نائبین نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور لاہور، لائل پور اور راولپنڈی کے مقامات پر شوریٰ اور خاص طور پر اس کے "قدامت پسند" ارکان کے خلاف شورش برپا کر دی، اور دوسری طرف دس دن کے اندر اندر مولانا مودودی کا وہ "الزام نامہ" ارکانِ جائزہ کمیٹی کے ہاتھوں میں پہنچ گیا ـــــ!! جو ہر اعتبار سے صریح ناانصافی اور زیادتی اور سراسر ظلم اور دھاندلی تھا۔

ظاہر ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے علاوہ جماعت میں کسی اور شخص کو یہ مقام حاصل نہ تھا کہ وہ اس موقع پر مولانا مودودی کے ہاتھ پکڑ سکتا اور انہیں اس ظلم اور زیادتی سے باز رکھ سکتا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کہ "اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا" پر عمل کرتے ہوئے مولانا امین احسن صاحب نے مولانا مودودی کو سمجھانے اور اس ظلم سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ـــــ لیکن جب انہیں اس میں ناکامی ہوئی تو ان پر سخت مایوسی طاری ہوئی اور مولانا مودودی پر ان کا اعتماد متزلزل ہو کر رہ گیا..... اسی مایوسی اور دل شکستگی کے عالم میں مولانا اصلاحی صاحب نے مولانا مودودی کے نام وہ مفصّل خط لکھا، جس نے مولانا مودودی کے "الزام نامے" کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور ان کی ناانصافی اور دھاندلی کو بالکل عریاں کر کے ان کے سامنے رکھ دیا۔

مولانا اصلاحی نے اپنے اس خط میں اگرچہ جائزہ کمیٹی کے تقرر سے لے کر شوریٰ کے اختتام تک کے تمام واقعات پر مفصّل تبصرہ کیا اور مولانا مودودی کے الزام نامے کے ایک

نام بھی اچھا — کام بھی اچھا
صُوفی سوپ ہے سب سے اچھا

صُوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دُھلائی کے لیے بہترین صابن

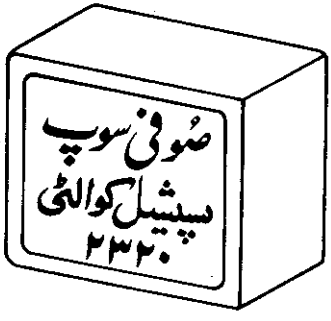

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صُوفی سوپ ٹیلکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور۔ ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷ - ۵۴۵۲۳

باب چہارم

مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے استعفے

مصالحت کی نئی کوشش

اور راقم الحروف کا موقف

مولانا مودودی کا استعفاء از امارتِ جماعت..... اپنے اس خط میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے جائزہ کمیٹی اور اس کی رپورٹ پر مولانا مودودی کے الزامات کی قلعی کھولنے اور جائزہ کمیٹی کے تقرر سے لے کر شوریٰ کے اختتام تک مولانا کے طرزِ عمل کا تجزیہ کرنے کے ساتھ ساتھ ــــ اس امکان کے پیشِ نظر کہ عین ممکن ہے کہ مولانا نے شوریٰ میں واقعی صدق دل کے ساتھ ' مصالحت ' کی ہو لیکن بعد میں ان پر اس کے نقصانات واضح ہوئے ہوں ــــ جماعت کے دستور کی رو سے یہ صاف اور سیدھی راہ کھول کر بیان کر دی کہ آپ مجلسِ شوریٰ کا اجلاس دوبارہ بلائیں اور اس میں اپنا نقطۂ نظر پوری وضاحت سے رکھ دیں۔ پھر اگر شوریٰ آپ کے نقطۂ نظر کو قبول کر لے تو فبہا' ورنہ آپ شوریٰ کے خلاف اپنا مقدمہ ارکانِ جماعت کے سامنے پیش کر دیں۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالفرض اجلاسِ شوریٰ کے دوران مولانا مودودی کسی ذہنی کشمکش اور تذبذب میں مبتلا رہے بھی تھے تو اب بہرحال وہ ایک واضح اور متعیّن لائحہ عمل اختیار کر چکے تھے اور جائزہ کمیٹی کے نام "الزام نامہ" انہوں نے کسی غلطی یا چوک کی بنا پر نہیں بلکہ ایک مستقل فیصلہ کر کے تحریر کیا تھا ــــ چنانچہ مولانا اصلاحی صاحب کا خط ملنے پر انہوں نے فوری طور پر یہ فیصلہ کر لیا کہ منطق اور دلیل ــــ اور قاعدے اور قانون کو بالائے طاق رکھ کر سیدھی طرح اپنی ' شخصیت ' کا زور آزما لیا جائے اور دلائل و براہین کے چھوٹے چھوٹے باٹ چھوڑ کر ایک بار اپنی ' شخصیت ' کا پورا وزن ایک پلڑے میں ڈال کر فیصلہ کر لیا جائے۔

اور یہ کوئی ایسی انوکھی بات بھی نہ تھی! ـــــ تحریکوں اور جماعتوں کی تاریخ میں بار ہا ایسا ہوا ہے کہ رفیقوں کے ایثار اور کارکنوں کی محنت و مشقت سے بنی ہوئی 'شخصیتیں' بالآخر اپنی 'شخصیت' ہی کو اپنے قریب ترین رفیقوں کے مقابلے میں "برہانِ قاطع" کے طور پر استعمال کرتی رہی ہیں۔

چنانچہ مولانا مودودی نے مولانا اصلاحی صاحب کو ان کے خط کا جواب تو کوئی نہ دیا البتہ یہ کہلوا دیا کہ میں امارت سے مستعفی ہو رہا ہوں اور دوسرے ہی روز اخبارات میں مولانا مودودی کا استعفا از امارتِ جماعت اسلامی ان الفاظ میں شائع ہو گیا۔[1]

"مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جماعتِ اسلامی پاکستان کی امارت سے مستعفی ہو گئے

مولانا کے استعفاء پر غور کرنے کے لیے مرکزی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس طلب کر لیا گیا

لاہور۔ ۱۰ر جنوری' جماعت اسلامی پاکستان کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جماعت کے جنرل سیکرٹری کے نام ایک خط لکھا ہے جس میں وہ جماعت کی امارت سے مستعفی ہو گئے ہیں۔ جماعت کے جنرل سیکرٹری نے ۱۲ر جنوری کو مرکزی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس طلب کر لیا ہے جس میں مولانا کے استعفا پر غور کیا جائے گا۔

"میں جماعت اسلامی پاکستان کی امارت سے استعفا پیش کر رہا ہوں۔ براہ کرم اس کے متعلق ضابطہ کے مطابق کارروائی کریں ۔

---

[1] اس کی اشاعت کے سلسلہ میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا بیان ملاحظہ ہو:۔

"امیر جماعت کے استعفے کے متعلق جماعت کی مجلس مشاورت نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ اس کو راز میں رکھا جائے اور شوریٰ کا ہنگامی اجلاس بلا کر صرف اس کے سامنے اس کو پیش کیا جائے لیکن مرکزی سٹاف نے ..... مجلس مشاورت کے فیصلے کے خلاف اس کو بڑی دھوم دھام سے اخبارات میں شائع کرایا۔"

۱۹۵۵ء میں میری رہائی کے بعد جب مجلس شوریٰ نے مجھے جماعت اسلامی کا امیر منتخب کرنا چاہا تھا میں نے یہ گزارش کی تھی کہ میں اب صرف ایک معمولی رکنِ جماعت کی حیثیت سے خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ مجھ میں ذمہ داری کا منصب سنبھالنے کی اب طاقت نہیں ہے لیکن اُس وقت میری معذرت قبول نہ کی گئی اور مجھے امیر منتخب کر لیا گیا۔ پھر نومبر ۱۹۵۶ء میں جب مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہوا تو میں نے استعفا پیش کیا اور یہ بھی گزارش کی کہ وجوہ کو زیر بحث لائے بغیر مجھے سبکدوش کر دیا جائے لیکن افسوس ہے کہ میری یہ درخواست بھی رد کر دی گئی۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرا امیرِ جماعت رہنا جماعت کے لئے مفید ہونے کی بہ نسبت نقصان دہ زیادہ ہے۔ اس لئے میں اس منصب کو چھوڑنے میں ایک لمحہ کی دیر لگانا بھی گناہ سمجھتا ہوں اور یہ بات واضح کئے دیتا ہوں کہ یہ استعفا واپس لینے کے لئے پیش نہیں کیا جا رہا ہے۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ اب جماعت میں کوئی منصب بھی حتیٰ کہ مجلسِ شوریٰ کی رکنیت بھی قبول نہ کروں گا۔ میں جماعت کے نصب العین اور نظام کی جو کچھ بھی خدمت کر سکتا ہوں اب صرف ایک رکنِ جماعت کی حیثیت سے کر سکتا ہوں۔

الحمدللہ کہ جماعت اسلامی کے ساتھ میرا تعلق نہ محض ضابطہ کا ہے اور نہ کسی منصب پر موقوف ہے یہ ایک گہرا قلبی و روحانی رشتہ ہے جو کسی حال میں ٹوٹ نہیں سکتا اور جماعت کا مقصد میرا اپنا مقصدِ زندگی ہے، جس کی خاطر ہی میرا مرنا اور جینا ہے۔ اس لئے میری خدمات جماعت کے لئے جس طرح آج تک وقف رہی ہیں اسی طرح انشاءاللہ ہمیشہ وقف رہیں گی اور جو بھی امیرِ جماعت ہو گا اس کا خیر خواہ اور اس کی اطاعت فی المعروف کا پابند رہوں گا۔ میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ جس چیز کی تعمیر کے لئے میں نے آج تک جان کھپائی ہے اب میں ہی اس میں کسی خرابی کے پیدا ہونے کا ذریعہ بنوں۔

امارت کا منصب چھوڑتے ہوئے میں جماعت کو دو باتوں کی نصیحت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میرے رفقاء میرے ان مشوروں کو جو خالص خیر خواہی کی بنا پر میں عرض کر رہا ہوں قبول فرمائیں گے۔ میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اس جماعت کی بھلائی چاہتا ہے میرے استعفا کے وجوہ کو زیر بحث لانے سے کلّی

اجتناب کرے اور اخبارات میں یا محفلوں اور مجلسوں میں اس کے متعلق چاہے کیسی ہی قیاس آرائیاں اور رائے زنیاں ہوں ان کو صبر و سکوت کے ساتھ ٹال دے۔ اس بحث میں بھلائی اگر کچھ ہو بھی تو وہ برائی کی بہ نسبت بہت کم ہے۔ دوسری نصیحت میں یہ کرتا ہوں کہ امارت کا نیا انتظام بالکل اسی طرح کیا جائے جس طرح ایک امیر جماعت کے اچانک مرجانے پر کیا جانا چاہئے۔ کوئی بحث جو اس سے پہلے پیدا ہوئی ہو' نہ تازہ کی جائے اور نہ اس کا پس منظر ہی پیشِ نظر رکھا جائے بالکل نئے سرے سے کام کا آغاز کرنے ہی میں جماعت کی بھلائی ہے۔

میں تمام رفقائے جماعت کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میرے ہر دورِ امارت میں نہایت اخلاص و محبت اور پورے اعتماد کے ساتھ میرا ہاتھ بٹایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر انہیں جزائے خیر دے۔ اس کے ساتھ میں ان تمام رفقاء سے معافی بھی چاہتا ہوں جنہیں پچھلے پندرہ سال میں کبھی مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ خصوصیت کے ساتھ حال میں مجلسِ شوریٰ کے جن ارکان کے بارے میں میں نے ایک کارروائی کی تھی' مجھے احساس ہے کہ انہیں اس سے ضرور اذیت پہنچی ہوگی۔ ایک شخص جو کسی ذمہ داری کے منصب پر ہو اسے کبھی نہ کبھی اپنے ذاتی تعلقات کو نظر انداز کر کے اپنے فرائض کی انجام دہی میں ایسے کام کرنے پڑ جاتے ہیں جن سے اس کے دوستوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری امارت کے ساتھ اس معاملہ کو بھی ختم کر دیا جائے اور اس کی یاد بھی ذہن میں نہ رکھی جائے۔ میں اپنے ان رفقاء سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس کے متعلق ہر شکایت دل سے نکال دیں اور مجھے معاف کر دیں"۔ (ماخوذ از روزنامہ کوہستان مورخہ ۱۱ر جنوری ۱۹۵۷ء)

ہنگامے..... اس استعفا کی اشاعت سے ایک طرف تو یہ فطری ردِ عمل ظاہر ہوا کہ جماعت اسلامی کے ارکان' متفقین' ہمدردوں اور متأثرین کے حلقے میں ایک انتہائی جذباتی اور ہنگامی صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ قریب کے شہروں سے جماعت کے لوگوں کے وفود مرکزِ جماعت میں آنے شروع ہو گئے اور دور دراز کے علاقوں سے تاروں کا تانتا بندھ گیا ــــ اور پوری جماعت میں پریشانی اور فکرمندی کی ایک لہر دوڑ گئی ــــ

اور اس طرح ایک ایسی فضا تیار ہو گئی جس میں صحیح کیا ہے اور غلط کیا کے فیصلے سے زیادہ توجہ اس امر پر مرکوز ہو گئی کہ کسی طرح مولانا مودودی کو استعفاء واپس لینے پر آمادہ کیا جائے!!

اور دوسری طرف مولانا کے فعّال نائبین نے ارکانِ جائزہ کمیٹی اور ان کے ہم خیال اراکینِ شوریٰ کے خلاف ایک باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ لاہور، لائل پور اور راولپنڈی اس مہم کے اہم مورچے تھے۔ لاہور میں اس مہم کے کمان دار جناب نعیم صدیقی تھے۔ لائل پور میں جناب اسعد گیلانی اور راولپنڈی میں جناب صدیق الحسن گیلانی۔ یہ مہم جس طور سے چلائی گئی اس کا اندازہ اس ایک واقعے سے ہو سکتا ہے کہ لاہور میں ارکانِ جماعت کے ایک اجتماع میں جب نعیم صدیقی صاحب نے جائزہ کمیٹی اور شوریٰ کے "رجعت پسند" ارکان کے خلاف دھواں دھار تقریر کی اور ان پر شدید قسم کے ذاتی حملے کئے اور جماعت کے کچھ ارکان نے انہیں ٹوکا کہ ان لوگوں کی عدم موجودگی میں اس طرح کے الزامات لگانا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے تو ـــــ ملک نصر اللہ خاں عزیز صاحب نے طنز اور تمسخر کے ملے جلے جذبات کے ساتھ فرمایا کہ ـــ "جی ہاں! آپ جس تقویٰ کی تعلیم دینا چاہتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ کچھ غنڈے کسی شریف اور پردہ دار گھرانے میں گھس کر عورتوں کی عزت و ناموس پر حملہ کر رہے ہوں اور باہر کچھ متقی حضرات داخلے کے اِذن کے انتظار میں کھڑے رہ جائیں!" ـــــ یعنی عام ارکانِ جماعت کے سامنے ان حضرات نے صورت حال کا جو نقشہ پیش کیا وہ یہ تھا کہ مولانا مودودی جو اس تحریک کے مؤسّس اور داعیٔ اوّل بھی ہیں اور از یوم تاسیس تا امروز اس کی قیادت بھی کرتے رہے ہیں، آج ایک انتہائی مظلومانہ صورت حال سے دوچار ہیں اور جائزہ کمیٹی کے ارکان اور شوریٰ کے کچھ لوگوں نے مل کر ان پر ایسا ستم توڑا ہے کہ وہ انتہائی بے چارگی کے عالم میں امارتِ جماعت کے منصب سے مستعفی ہونے پر مجبور ہو گئے!

پروپیگنڈے کی اس انتہائی افسوسناک مہم کے ساتھ ساتھ ـــ بعض "امرائے حلقہ" نے اپنے اختیارات کا 'بھرپور' استعمال بھی شروع کر دیا۔ چنانچہ جناب امیرِ حلقہ لائلپور نے مرکزی مجلس شوریٰ کے دو اراکین یعنی حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اور چودھری عبدالحمید صاحب کی رکنیتِ جماعت ہی کو معطّل کر دیا ـــ اسی قسم کی کارروائی جناب سعید ملک صاحب کے ساتھ بھی ہونے والی تھی کہ انہیں خبر ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے پیشگی وار کر دیا اور ایک باقاعدہ پریس کانفرنس بلا کر اس میں جماعت سے اپنے استعفے کا اعلان کر دیا اور

ساتھ ہی جماعت کی قیادت پر بہت سنگین قسم کے الزامات عائد کئے ـــ مولانا عبدالجبار غازی صاحب نے اس موقع پر بھی اپنی روایتی شرافت کا ثبوت دیا اور وہ کچھ کہے سنے بغیر خاموشی کے ساتھ جماعت کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے!۔

جناب قیم جماعت، میاں طفیل محمد صاحب نے مولانا کے استعفا پر غور کرنے کے لئے مرکزی مجلسِ شوریٰ کا ہنگامی اجلاس طلب فرمایا تو اس میں ایک 'خصوصی احتیاط' یہ برتی کہ چونکہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اُس وقت اتفاقاً کسی ٹیکنیکل رکاوٹ کی بنا پر شوریٰ کے باقاعدہ رکن نہ تھے، لہٰذا انہیں شوریٰ میں شرکت کی دعوت نہ دی۔ (حالانکہ اس سے قبل شوریٰ کے پندرہ روزہ اجلاس میں مولانا شریک رہے تھے) ـــ ادھر لائل پور سے حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے فون پر دریافت کیا کہ "میرے پاس بیک وقت دو 'حکم نامے' پہنچے ہیں۔ ایک آپ کا جس میں آپ نے شوریٰ میں شرکت کے لئے طلب فرمایا ہے اور دوسرا جناب امیرِ حلقہ کا جس میں میری رکنیتِ جماعت ہی معطّل کر دی گئی ہے! ـــ تو فرمائیں کہ میرے لئے کیا حکم ہے؟ ـــ تو جواباً ارشاد فرمایا کہ "آپ لاہور چلے آیئے، شوریٰ کے پہلے اجلاس میں یہ مسئلہ طے کر لیا جائے گا کہ آپ شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں!" ـــ اور جب حکیم صاحب نے مزید اصرار کیا کہ انہیں لاہور پہنچنے اور پھر شوریٰ میں شریک ہوئے بغیر لوٹنے کی ذلت سے بچالیا جائے تو ارشاد ہوا کہ "گھبرایئے نہیں! آپ کو آمدورفت کا کرایہ دے دیا جائے گا ـــ!" اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!!

شوریٰ کی قرارداد اعتماد..... ان حالات میں مرکزی مجلسِ شوریٰ کا ہنگامی اجلاس منعقد ہوا تو ظاہر ہے کہ اس کے معزز اراکین اس کے سوا اور کیا سوچ سکتے تھے کہ جیسے بھی ہو پہلے روٹھے ہوئے امیر کو منایا جائے۔ باقی باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔ چنانچہ شوریٰ نے مولانا مودودی صاحب پر اعتماد کی قرارداد پاس کی اور ان سے استعفا واپس لینے کی درخواست کی۔ روزنامہ 'کوہستان' لاہور کی ۱۳ر جنوری کی اشاعت کی خبر ملاحظہ ہو۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے استعفاء واپس لینے کی درخواست!
جماعت اسلامی کی مجلسِ شوریٰ کی قرارداد

لاہور ۱۲ر جنوری۔ مجلسِ شوریٰ جماعت اسلامی پاکستان کا ایک خاص اجلاس آج صبح ۱۱ بجے جماعت کے مرکزی دفتر میں چوہدری غلام محمد امیرِ حلقہ کراچی کی

صدارت میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے جماعت کی امارت سے استعفاء پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا اور حسب ذیل قرار داد بالاتفاق رائے پاس کی۔

"اس وقت جماعت اسلامی جن غیر معمولی حالات سے دوچار ہے ان کے ہوتے ہوئے امیر جماعت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا منصبِ امارت سے اچانک مستعفی ہو جانا مجلسِ شوریٰ کی نگاہ میں ایک عظیم سانحہ ہے۔ در حقیقت 'جماعت' موصوف کی رہنمائی کی جتنی محتاج اس وقت ہے اتنی شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے استعفاء نے جماعت کو ایک شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ مجلسِ شوریٰ اس موقع پر پوری جماعت کی نمائندگی کرتے ہوئے بالاتفاق مولانا مودودی کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتی ہے۔ مولانا کی پندرہ برس کی خدمات اور قربانیوں کے پیشِ نظر ان کے ہوتے ہوئے امارت کے منصب کے لئے جماعتِ اسلامی کی نگاہ کسی اور طرف اٹھ ہی نہیں سکتی اور نہ کوئی دوسری شخصیت اس تحریک کو اتنی خوش اسلوبی سے چلا سکتی ہے جس کی مثال جماعت کے داعیٔ اول نے قائم کی ہے۔ عمر، صحت اور کسی ایسے غیر اختیاری تقاضے کے تحت خدانخواستہ اگر کبھی مولانا کو اس بارِ گراں سے سبکدوش ہونا پڑے تو وہ بالکل دوسری صورت ہوگی اور ایسے عالمِ معذوری میں جماعت ان کے اوپر ظلم کرنا کبھی پسند نہ کرے گی لیکن اس وقت خدا کے فضل سے مجلسِ شوریٰ کے نزدیک ایسی صورت نہیں ہے۔

بنا بریں مجلسِ شوریٰ متفقہ طور پر امیر محترم سے یہ درخواست کرتی ہے کہ جماعت سے ان کی جو والہانہ محبت ہے، اسے پوری طرح بروئے کار لا کر موصوف اپنا استعفا واپس لے لیں۔ مجلسِ شوریٰ یہ یقین دلاتی ہے کہ نہ صرف اس مجلس کے اعضاء بلکہ عام ارکانِ جماعت حسبِ سابق پوری طرح خیر خواہی اور اخلاص کے ساتھ اطاعت و تعاون کرتے رہیں گے۔

مجلسِ شوریٰ مولانا عبدالغفار حسن، شیخ سلطان احمد، چودہری غلام محمد، ملک نصراللہ خاں عزیز، مولانا عبدالحق، خان سردار علی خاں اور خان محمد باقر خاں پر مشتمل ایک وفد کو مامور کرتی ہے کہ وہ اس قرار داد کو مجلس کی طرف سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمت میں پیش کرے اور ان پر زور ڈالے کہ وہ مجلس کی اس مخلصانہ اپیل کو کسی صورت میں بھی مسترد نہ فرمائیں۔"

اس کے ساتھ ہی اخبارِ مذکور نے جو یہ خبریں بھی شائع کیں کہ:۔

"آج مرکزی مجلس شوریٰ اور اس کے معتمد کے نام متعدد مقامات سے اس مضمون کے تار موصول ہوئے کہ شوریٰ کو چاہئے کہ مولانا مودودی کا استعفا ہرگز ہرگز قبول نہ کرے اور اپنی پہلی ہی نشست میں اس کی نامنظوری کا اعلان کر دے۔

کل کی طرح آج بھی مرکز میں صبح سے شام تک لاہور اور باہر کے مختلف مقامات سے لوگ آتے رہے۔ اکثر حضرات جو باہر سے آئے ہوئے ہیں وہ کل سے یہیں پر مقیم ہیں۔ راولپنڈی اور اوکاڑہ سے مزید لوگ پہنچے۔ ان کے علاوہ سیالکوٹ، بہاولپور اور کراچی سے بھی لوگ یہاں آئے۔ آج کی ڈاک میں تار اور ٹیلیفون کے ذریعے مختلف مقامات پر پاس شدہ قراردادیں بھی موصول ہوئیں"۔

تو صاف ظاہر ہے کہ یہ سارا مواد جماعت کے مرکزی سٹاف ہی کا فراہم کردہ تھا! اور اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جماعت نے قیام پاکستان کے بعد ابتدائی چند سالوں میں 'مطالبہ' کا جو خصوصی تکنیک ایجاد کیا تھا اور جس کی اس کے کارکنوں کو خاصی مشق ہو چکی تھی کس طرح خود اس کے اندرونی معاملات میں وہ پورا تکنیک ہو بہو استعمال ہوا۔ ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اس کے علاوہ ــــ اسی شوریٰ نے یہ بھی طے کیا کہ جلد از جلد ارکان جماعت کا ایک کل پاکستان اجتماع عام منعقد کیا جائے، جس میں جماعت کی آئندہ پالیسی اور امیر جماعت کے استعفا کے وجوہ وغیرہ پر غور کیا جائے۔ شوریٰ کے اس اجلاس نے یہ بھی طے کیا کہ:

"چونکہ اس مجلسِ شوریٰ نے اجتماع ارکان کی اس ضرورت کو محسوس کر کے منعقد کرنا طے کیا ہے کہ ارکانِ جماعت آزادانہ بحث کر کے جماعت کی آئندہ پالیسی اور لائحۂ عمل طے کریں اور مجلسِ شوریٰ کی یہ خواہش ہے کہ پالیسی کی اس بحث میں کوئی سابق فیصلہ کسی حیثیت سے حائل نہ ہو، اس لئے مجلسِ شوریٰ یہ مناسب سمجھتی ہے کہ مجلس نے اپنے گزشتہ اجلاس میں جو قرار داد پالیسی کے متعلق پاس کی تھی وہ آئندہ کل پاکستان اجتماعِ ارکان کے وقتِ آغاز سے کالعدم قرار پائے۔"

شوریٰ کے اس فیصلے پر شیخ سلطان احمد صاحب نے باصرار اپنا یہ اختلافی نوٹ ــــ

(NOTE OF DISSENT) ریکارڈ کرایا کہ:۔

"مجلس شوریٰ نے اپنے گزشتہ اجلاس منعقدہ ۲۵ر نومبر تا ۹ر دسمبر ۵۶ء کے اختتام پر خوب اچھی طرح بحث اور غور کر لینے کے بعد جماعت اسلامی کی پالیسی اور طریق کار کے بارے میں جو قرارداد منظور کی تھی وہ مجلس کی طرف سے ایک متفقہ فیصلہ کی حیثیت سے ارکانِ جماعت کے سامنے پیش کی گئی تھی اور اس پر شرکائے مجلس میں سے کسی نے بھی اپنے اختلاف کا اظہار آخر وقت تک بھی نہیں کیا تھا۔

اب اگر ارکانِ جماعت یا ارکانِ شوریٰ یا امیرِ جماعت کو اس فیصلہ پر اطمینان نہیں ہو سکا ہے یا شوریٰ کی قرارداد کی تشریح اور تعبیر میں اختلاف واقع ہو رہا ہے تو میری رائے میں اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسی مجلس کے سامنے تمام اعتراضات اور عدم اطمینان کے وجوہ پیش ہونے چاہئیں تاکہ پچھلی بحثوں کے تمام پہلوؤں اور گزشتہ اجلاس کی کارروائی کو از سرِ نو تازہ کئے بغیر پیش نظر رکھتے ہوئے مجلس اپنی قرارداد پر عائد شدہ اعتراضات پر کماحقہ غور کر سکے۔ اس کے بعد ہی شوریٰ اس فیصلہ کی ترمیم، تنسیخ یا توثیق کرنے میں پوری طرح حق بجانب ہو گی۔ اگر خدانخواستہ مجلسِ شوریٰ دوبارہ غور کر لینے کے بعد متفق الرائے نہ ہو سکے تو پھر اختلافی امور بغرضِ استصواب متعین طور پر ارکانِ جماعت کے اجتماعِ عام میں پیش کئے جا سکتے ہیں اور وہاں ایک ایک مسئلہ پر اظہار رائے کے بعد آخری اور قطعی فیصلہ کیا جا سکتا ہے لیکن اعتراض یا بے اطمینانی کی وجہ سامنے رکھے اور اس پر کوئی رائے ظاہر کئے بغیر مجلس شوریٰ کی ایک متفقہ قرارداد کا خود بخود کالعدم قرار دیا جانا میرے نزدیک بالکل غلط، جماعت کے لئے ایک بری نظیر اور مجلس کے لئے سخت بدنامی کا باعث ہو گا اور اس طرح شوریٰ کا یہ تازہ فیصلہ اشخاص اور جماعت کے بارے میں عائد شدہ بعض نہایت سخت الزامات کی نادانستہ طور پر تصدیق کر دینے کا ہم معنی بن جائے گا۔

بنابریں میں اس فیصلہ سے اپنے اختلاف کا صاف صاف اظہار کر رہا ہوں"۔

سلطان احمد ۱۳ر جنوری ۵۷ء

لیکن جب اس اجلاسِ شوریٰ کی کارروائی جماعت میں شائع (CIRCULATE) کی گئی تو

'فرط احتیاط' سے اس اختلافی نوٹ کا ذکر تک نہ کیا گیا۔ اس پر شیخ سلطان احمد صاحب نے حسب ذیل 'احتجاج' جناب قیم جماعت کی خدمت میں ارسال کیا:۔

"آپ کا سرکلر نمبر ۲۷ - ۴ - ۱۱۸ مورخہ ۱۹ر جنوری ۱۹۵۷ء موصول ہوا۔ اس مراسلہ میں آپ نے مرکزی مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۲ تا ۱۵ جنوری ۵۷ء کی روداد اور فیصلے شائع کئے ہیں لیکن پیراگراف نمبر ۵ میں جماعت کی آئندہ پالیسی کے بارے میں شوریٰ کا فیصلہ درج کرتے ہوئے آپ نے نہ صرف اس کی کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ یہ فیصلہ متفقہ طور پر ہوا ہے یا ارکانِ شوریٰ کی اکثریت کی رائے سے، بلکہ آپ نے میرے اختلافی نوٹ کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا ہے جو میری رائے میں قابل اعتراض بات ہے۔

کسی مجلس میں فیصلہ کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں، یا متفقہ طور پر اور یا کثرتِ رائے سے۔ پہلی صورت میں تو کسی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں لیکن دوسری صورت میں اس بات کی صراحت ضروری ہے کہ فیصلہ اکثریت کا ہے نہ کہ پوری مجلس کا۔ آراء کا شمار یا اختلاف کرنے والوں کے بارے میں تفصیل بیان کرنا بے شک ضروری نہیں مگر جہاں رائے شماری کی نوبت آنے سے پہلے ہی کسی رکن کی طرف سے تحریری طور پر اختلافی نوٹ پیش کر دیا گیا ہو، وہاں لازمی ہے کہ فیصلہ کے ساتھ ساتھ اختلاف کرنے والے کے وجوہ و دلائل بھی سامنے رکھے جائیں تاکہ اختلافی نقطۂ نظر پر بھی لوگ غور کر سکیں۔

اختلافی نوٹ کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اگر اس کو محض کارروائی کے رجسٹر میں بند کر دیا جائے اور محض یک طرفہ رائے لوگوں کے علم میں لائی جائے۔ خصوصیت کے ساتھ اس نوٹ کی اشاعت اس لئے اور بھی ضروری تھی کہ اس میں اختلاف کرنے والے نے آنے والے اجتماعِ ارکان سے متعلق مجوزہ کارروائی ہی سے اختلاف کیا ہے اور اس بات پر متنبہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرز پر اجتماعِ ارکان کی کارروائی ہونے جارہی ہے اس سے جماعت کو بڑے نقصان کا اندیشہ ہے۔ اب اگر ارکانِ جماعت اس خطرہ سے بروقت آگاہ نہیں کئے جاتے پھر اس تنبیہ کا موقع کب باقی رہے گا۔ اگر آپ کا ارادہ میرے اختلافی نوٹ کو سرے سے شائع کرنے ہی کا نہیں ہے یا آپ اس کو اجتماعِ ارکان کے بعد یا عین اس وقت پر پیش کرنا چاہتے

ہیں تو مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ میری رائے یہی ہے کہ میرا یہ اختلافی نوٹ اجتماع سے پہلے پہلے ارکان جماعت کے علم میں لایا جانا چاہئے، اس لئے میں اس مسئلہ پر آپ کی فوری توجہ مبذول کرا رہا ہوں۔ "

والسلام

احقر سلطان احمد ۸۴

لیکن یہ احتجاج بھی صدا بصحرا ثابت ہوا ــــ!

استعفےٰ کی واپسی..... شوریٰ کی قرارداد کے جواب میں مولانا مودودی صاحب نے جو خط شوریٰ کو لکھا اس کا متن حسب ذیل ہے۔ (ماخوذ از روزنامہ "نوائے وقت" اشاعت ۱۴ر جنوری ۵۷ء)

" آپ کی قرارداد اور ارکان و متفقین جماعت کی عام خواہشات کا احترام کرتے ہوئے میں عارضی طور پر اپنا استعفاء کُل پاکستان اجتماعِ ارکان کے انعقاد تک کے لئے واپس لیتا ہوں۔ میں انشاء اللہ اجتماع کے موقع پر تمام رفقاء کے سامنے اپنی وہ مشکلات رکھ دوں گا جن کی بنا پر میں اپنے آپ کو فرائضِ امارت کی انجام دہی کے قابل نہیں پاتا ہوں اور وہ مصالح اور ضروریات بھی بیان کر دوں گا، جن کے لحاظ سے میرا اس منصب پر رہنا مناسب نہیں ہے۔ ان سارے پہلوؤں کی وضاحت ہو جانے کے بعد ارکانِ جماعت جو رائے بھی قائم کریں گے وہ انشاء اللہ میری انفرادی رائے سے بہتر ہو گی۔ چونکہ مجھے دستور جماعت کی رو سے ایسی حالت میں اپنا قائم مقام مقرر کرنے کا حق ہے جبکہ میں فرائضِ امارت انجام نہ دے سکوں اس لئے میں چودھری غلام محمد صاحب کو قائم مقام امیر مقرر کرتا ہوں "۔

اس طرح وہ استعفاء جو اس "وضاحت" کے ساتھ دیا گیا تھا کہ "یہ بات واضح کئے دیتا ہوں کہ یہ استعفاء واپس لینے کے لئے پیش نہیں کیا جا رہا..." تین دن کے اندر اندر واپس ہو گیا ــــ اگرچہ واپسی اس احتیاط کے ساتھ ہوئی کہ استعفے کی سیفِ قاطع جس نے سرکش شوریٰ کو "اطاعت و تعاون" پر مجبور کیا تھا ارکانِ جماعت کے اجتماعِ عام کے سر پر بھی لٹکتی رہے!۔

مولانا امین احسن اصلاحی کا استعفیٰ از رکنیتِ جماعت..... مرکزِ

جماعت اسلامی میں پیش آنے والے ان تمام ڈرامائی واقعات کی خبریں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اپنی رہائش گاہ پر مقیم ایسی بے بسی کے ساتھ سنتے رہے جیسے وہ وہاں 'نظر بند' ہوں۔ ؎

روداد چمن اس طرح سے سنتا ہوں قفس میں
جیسے کبھی آنکھوں سے گلستاں نہیں دیکھا!

اور اسی بے چارگی اور دل شکستگی کے عالم میں انہوں نے جماعت اسلامی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔[1]

اس طرح ایک مرتبہ یہ معاملہ اپنی 'منطقی انتہا' کو پہنچ گیا ـــ اور مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کی سولہ سالہ رفاقت ختم ہو گئی ـــ اور اگرچہ کچھ مخلصین کی مصالحانہ مساعی اور ذمہ دار لوگوں کی یقین دہانیوں کی بنا پر مولانا اصلاحی صاحب نے اپنا استعفیٰ واپس لے لیا اور اس کے بعد بھی کچھ عرصہ مولانا جماعت کے رکن رہے ـــ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل مسلم ہے کہ جہاں تک جماعت کے ان دو چوٹی کے قائدین کا تعلق ہے ان کے مابین اعتماد اور

---

[1] مولانا کے اپنے الفاظ میں:۔
"شوریٰ کا یہ اجلاس ایک بالکل ہنگامی اجلاس تھا۔ یہ شوریٰ صرف امیر جماعت کے استعفیٰ سے پیدائش صورت حال پر غور کرنے کے لئے فوری طور پر بلائی گئی تھی، اس کے لئے کوئی ایجنڈا نہ تھا۔ اس کے بعض ارکان کے ساتھ یہ معاملہ بھی پیش آیا کہ ادھر مرکز سے ان کو شورے کی شرکت کے دعوت نامے ملے لیکن جب وہ گھروں سے روانہ ہونے لگے تو ادھر حلقہ سے ان کو یہ اطلاع ملی کہ وہ جماعت کی رکنیت سے معطل کر دیئے گئے۔ یہ شوریٰ جماعت کی پالیسی وغیرہ کے مسائل پر کوئی فیصلہ دینے کی مجاز نہ تھی۔ لیکن اس نے صرف امیرِ جماعت پر اظہارِ اعتماد ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امیرِ جماعت کو خوش کرنے کے لئے اس نے پالیسی کے معاملہ میں بھی مداخلت کی۔ مجھے اس شوریٰ میں شرکت کی دعوت نہیں دی گئی تھی۔ اس وجہ سے میرے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ میں اس کے اندر جا کر اس کی خلافِ دستور کاروائیوں پر ٹوک سکتا لیکن میں نے اس کے دورانِ انعقاد ہی میں اس کے سامنے جماعت کی رکنیت سے اپنا استعفاء پیش کر دیا، کیونکہ میں امیرِ جماعت پر اس کے غیر مشروط اظہارِ اعتماد کو ان تمام اقدامات کی تصدیق کے ہم معنی سمجھتا تھا جو امیرِ جماعت نے جائزہ کمیٹی کے ارکان اور شوریٰ کے متفقہ فیصلہ کے خلاف کئے تھے!"

اتفاق کی کیفیت پھر کبھی پیدا نہ ہو سکی۔

جن لوگوں کو مولانا اصلاحی صاحب کی شخصیت کے قریبی مطالعے کا موقع نہیں ملا ہے ان کے لئے یہ بات واقعۃً بالکل ناقابل فہم ہے کہ مولانا مودودی کے بارے میں وہ انتہائی رائے قائم کر چکنے کے بعد جو مولانا اصلاحی صاحب کے خط سے ظاہر ہوتی ہے ـــ اور اب مولانا کے اس رویّے کا چشم سر مشاہدہ کر لینے کے بعد کہ وہ ہر فیصلہ اپنی ' شخصیت ' کی ' برہانِ قاطع ' کے بل پر کرنے پر تل گئے ہیں ـــ وہ آخر کس امید میں مصالحت کنندگان کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔

> واقعہ یہ ہے کہ مولانا کی طبیعت کی ظاہری سختی اوز مزاج کی ظاہری درشتی کے پردوں میں ایک انتہائی صلح جو اور آخری حد تک آمادۂ مصالحت شخصیت چھپی ہوئی ہے اور وہ کسی کام کو شروع کر لینے کے بعد اس کو جاری رکھنے کے لئے آخری حد تک مصالحت (Compromise) کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ چاہے اس سے ان کی ذات کتنی ہی مجروح ہو اور ان کی پوزیشن کتنی ہی خراب ہو جائے ـــ!

یہی وجہ ہے کہ مولانا اس وقت تک مصالحانہ مساعی کے ساتھ تعاون کرتے رہے جب تک خود مصالحت کنندگان تھک ہار کر نہ بیٹھ رہے اور اسی بنا پر ان کے بعد کے رویّے میں 'منطقی ربط' نظر نہیں آتا اور مستقبل کے مؤرخ کے لئے یہ حق باقی رہ جاتا ہے کہ چاہے تو ان کے طرزِ عمل کو انتہائی دردمندانہ اور مخلصانہ صلح جوئی کا نتیجہ قرار دے اور چاہے تو کمزوری پر محمول کرلے۔

مولانا اصلاحی صاحب نے اپنے استعفےٰ کی واپسی کی توجیہہ یہ بیان فرمائی ہے۔

"میرے استعفیٰ کے بعد چودھری غلام محمد صاحب (جو قائم مقام امیر جماعت بنائے گئے تھے محمد باقر خاں صاحب کے ساتھ مجھ سے ملے اور یہ اطمینان دلایا کہ امیرِ جماعت پر اظہارِ اعتماد ہرگز ان کے ان اقدامات کی توثیق کے ہم معنی نہیں ہے جو انہوں نے شوریٰ کے فیصلہ اور جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف کئے ہیں انہوں نے صاف الفاظ میں یہ بھی کہا کہ جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف امیرِ جماعت نے جو اقدام کیا ہے وہ اس کو نہ صرف واپس لیں گے بلکہ ان سے معافی بھی مانگیں

گے انہوں نے یہ بھی وضاحت کی کہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ قائم ہے، دسمبر کی شوریٰ کی قرارداد بھی قائم ہے، البتہ اجتماعِ عام کے انعقاد تک لوگوں کو پالیسی کے معاملہ میں کوئی بحث ونزاع برپا کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ باتیں اس قدر گہرے تاثر اور اس قدر وثوق واعتماد کے ساتھ کہیں کہ مجھے اپنا استعفیٰ واپس لے لینا پڑا"۔

یہاں فوری طور پر جو سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ـــ کیا مولانا اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ 'جماعت اسلامی' میں اصل مؤثر اور فیصلہ کن شخصیت مولانا مودودی کی تھی؟ ـــ ذہن اسے قبول نہیں کرتا۔ اس لئے کہ جماعت کی مخصوص تنظیمی ہیئت میں جو مقام مولانا مودودی کو حاصل تھا اس سے سب سے زیادہ واقف خود مولانا امین احسن صاحب تھے ـــ! تو پھر سوچنے کی بات تو یہ تھی کہ جس شخصیت نے اپنی مقبولیت کی دلیل کے آگے خود مولانا اصلاحی صاحب کو بے بس کر دیا تھا، اس کے سامنے اپنے پورے سوز اور سارے اخلاص کے باوجود یہ غریب یقین دلانے والے کیا حیثیت رکھتے تھے! ـــ چنانچہ مندرجہ بالا تصریحات کے معاً بعد جب مولانا اصلاحی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ

"ان وعدوں میں سے یہ حضرات کسی ایک وعدے میں بھی سچے ثابت نہیں ہوئے"[1]

تو محسوس ہوتا ہے کہ ایسا ہونا بالکل فطری تھا ـــ البتہ مولانا کا ان حضرات کی یقین دہانیوں کی بنیاد پر خیر کی امیدیں وابستہ کر لینا زیادہ سے زیادہ نیک خواہشات کی کارفرمائی قرار دیا جا سکتا ہے!!

حالات جو رخ اختیار کر چکے تھے ـــ اور نوبت جہاں تک پہنچ گئی تھی اس کے لحاظ سے اب مولانا اصلاحی صاحب اور ان کے ہم خیال ارکانِ شوریٰ اور دیگر اصحابِ رائے کے لئے دو ہی راہیں عقلاً صحیح تھیں۔

ایک یہ کہ ـــ اگر ان کے نزدیک مولانا مودودی کی ذات سے قطع نظر ـــ اب بھی مجموعی اعتبار سے جماعت اسلامی میں شر پر خیر غالب تھا تو وہ خاموشی سے جماعت سے علیٰحدہ ہو

---

[1] یہ تمام اقتباسات مولانا اصلاحی صاحب کے اس سائیکلو سٹائل شدہ وضاحتی خط سے ماخوذ ہیں جو انہوں نے جماعت سے مستعفی ہونے کے بعد لوگوں کے استفسارات کے جواب میں تحریر فرمایا تھا!

جاتے اور وہ طرزِ عمل اختیار کرتے جو اس سے قبل مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ان کے رفقاء نے اختیار کیا تھا ــــ اور جو اس موقع پر بھی مولانا عبدالجبار غازی صاحب نے اختیار کیا۔ اس صورت میں آئندہ کے لئے صحیح لائحہ عمل یہ ہوتا کہ ' اقامتِ دین ' کی ہمہ گیر جدّوجہد کی طرف سے صبر کا گھونٹ پی کر دین کی کسی ' جزوی خدمت ' میں اپنے آپ کو کھپا دیا جاتا ــــ اور جماعت کو فی الحال اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا۔ اس لئے کہ اس صورت میں جماعت سے علیٰحدہ ہو کر بھی اس پر تنقید کرنے کا حق انہیں نہ ہوتا اور جماعت کے عام ارکان کی یہ حجت ان پر قائم ہو جاتی کہ آپ حضرات نے جماعت کے اندر اپنے اختلافِ رائے کا اظہار کیوں نہ کیا ــــ! (الّا یہ کہ بعد میں کسی مرحلے پر یہ محسوس کیا جاتا کہ جماعت کسی صریح دینی فتنے میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس کا 'ابطال' ایک ' دینی فریضہ ' بن گیا ہے!)

دوسری یہ کہ ــــ اگر ان کی رائے میں مولانا مودودی کی غلط رہنمائی اور ان کے غلط اقدامات کی بنا پر جماعت میں خیر پر شر غالب آ چکا تھا یا آنا لازمی تھا ــــ تو پھر ایک ہی طرزِ عمل صحیح تھا' اور وہ یہ کہ جماعت میں کھل کر اختلافِ رائے کا اظہارِ رائے کیا جاتا اور ڈٹ کر مولانا مودودی کی مخالفت اور ان کے غلط اقدامات کی مذمّت کی جاتی۔ متذکرہ بالا رائے قائم ہو جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ عقلاً صرف یہی طرزِ عمل صحیح تھا بلکہ جماعت کا دستور اور وہ ' جمہوریت ' اور ' شورائیت ' بھی اسی کے متقاضی تھے جن کے پودوں کو خود مولانا اصلاحی صاحب نے اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا ــــ اور جماعت کے عام ارکان کے 'حقِ نصح ' کی ادائیگی کی واحد صورت بھی یہی تھی ــــ اس طرزِ عمل سے بدترین نتیجہ جو نکل سکتا تھا وہ یہ کہ جماعت بالکل منتشر ہو جاتی تو ایک ایسی جمعیت کا منتشر ہو جانا جس میں شر غالب آ چکا ہو' بجائے خود ایک خیر ہے! ــــ ایک بعید امکان اس کا تھا کہ مولانا مودودی متّہم (DISCREDIT) ہو جاتے اور جماعت کی رہنمائی کی ذمہ داری کسی اور کو سنبھالنا پڑتی تو یہ جماعتی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور اس سے پہلو بچانا کسی کے لئے جائز نہیں! ــــ ایک امکان یہ تھا کہ جماعت تقسیم ہو جاتی تو اس میں بھی کوئی حرج نہ تھا۔ ہر حصہ اپنے اپنے نظریات کے مطابق ' اقامت دین ' کی ہمہ گیر جدوجہد میں مشغول ہو جاتا ــــ بدرجۂ آخر یہ کہ اہلِ اختلاف ذلیل کر کے نکال دیئے جاتے تو اس صورت میں بھی کم از کم یہ تو ہو جاتا کہ ان کی جانب سے پوری جماعت پر اتمامِ حجت ہو جاتا ــــ اور جماعت سے علیٰحدہ ہونے کے بعد بھی انہیں اس کی پالیسی پر تنقید کا حق بجا طور پر

حاصل رہتا۔

بدقسمتی سے عملاً جو کچھ ہوا وہ یہ کہ مولانا اصلاحی صاحب اور ان کے ہم خیال ارکانِ شوریٰ نے نہ پہلی راہ اختیار کی نہ دوسری!۔۔۔ بلکہ کچھ مخلص مصالحت کنندگان کے زیر اثر یہ حضرات ایک ایسی " نیمے دروں' نیمے بروں " پالیسی پر عمل پیرا ہو گئے جس سے عام ارکانِ جماعت پر ' اتمامِ حجت' تو کیا ہوتا ان کا 'حقِ نصح' بھی ادا نہ ہو سکا۔۔۔ بلکہ ان حضرات کی اپنی پوزیشن اکثر ارکانِ جماعت کے لئے ناقابل فہم۔۔۔ اور بعض حالات میں مضحکہ خیز تک ہوتی چلی گئی۔۔۔!! رہے وہ ' مصالح' جن کے پیش نظر یہ ' درمیانی راہ' اختیار کی گئی تھی تو ان کی پوری فصل مولانا مودودی نے کاٹ لی۔۔۔!!!

مصالحت.....اس مرتبہ مصالحت کنندگان میں سرِفہرست اگرچہ چودھری غلام محمد صاحب (قائم مقام امیرِ جماعت) اور جناب محمد باقر خاں صاحب مرحوم تھے اور ابتداءً شیخ سلطان احمد صاحب نے بھی مصالحانہ کوششوں میں حصہ لیا۔ لیکن اس سلسلے میں فیصلہ کن مساعی تحریک مسلم لیگ کے ایک پرانے سرگرم کارکن جناب ظفر احمد انصاری صاحب کی ثابت ہوئیں جنہوں نے گفت و شنید اور مذاکرات (NEGOTIATIONS) کے خداداد ملکہ سے کام لے کر مولانا اصلاحی صاحب کو چند ایسے وعدوں (COMMITMENTS) کا پابند کر لیا۔۔۔ جو مولانا کی ذاتی شرافت اور مروّت کی بنا پر آئندہ کے لئے ان کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئے!

مصالحت کے فلسفے کا بنیادی پتھر یہ تھا کہ۔۔۔ جماعت اسلامی کے عام ارکان کی تربیت اس طرز پر نہیں ہوئی ہے کہ وہ پالیسی اور طریق کار کی دقیق بحثوں میں سکون' اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ حصہ لے سکیں اور اپنے اکابر کے باہمی اختلافات (قطع نظر اس سے کہ وہ نجی نوعیت کے ہوں یا جماعت کی پالیسی سے متعلق) پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں' لہٰذا اگر کبھی ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی متبادل پروگرام لے کر ایک دوسرے کے بالمقابل جماعت کے عام ارکان کے سامنے پیش ہوئے تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ نکلے گا کہ جماعت بالکل منتشر ہو جائے گی اور اقامتِ دین کے لئے کی گئی ساری محنت اکارت ہو کر رہ جائے گی۔۔۔! مولانا مودودی کے انتہائی اقدامات (ارکانِ جائزہ کمیٹی پر الزامات اور پھر استعفیٰ از امارتِ جماعت وغیرہ) کے بارے میں غالباً یہ رائے قائم کی گئی کہ یہ سب کچھ محض جذبات میں ہو گیا ہے اور بالکل غلط ہے۔ تاہم جماعت کی مصلحت اسی میں ہے کہ مولانا مودودی کو زیادہ متہم (DISCREDIT) نہ کیا جائے۔۔۔ جماعت کے حالات کی اصلاح اور اس کے آئندہ رخ کی تبدیلی کے بارے میں غالباً یہ طے ہوا کہ مصلحت

اسی میں ہے کہ یہ سب کچھ خاموشی کے ساتھ اور رفتہ رفتہ ہو اور سردست صرف اس پر اکتفا کیا جائے کہ ایک تو اس ہنگامی دور کے انتہائی اقدامات کو کالعدم قرار دیا جائے اور دوسرے جماعت کی آئندہ پالیسی کے بارے میں ارکانِ جماعت کے سامنے اس مرتبہ پھر شوریٰ کی جانب سے ایک متفقہ قرارداد پیش کی جائے۔

چنانچہ جن ارکان کی رکنیت معطّل کی گئی تھی وہ بحال کر دی گئی (جناب عبدالجبار غازی صاحب اور سعید ملک صاحب چونکہ از خود مستعفی ہوئے تھے لہٰذا ان کا معاملہ جدا تھا) اور ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ ارکان سے متصلاً قبل اسی مقام پر مرکزی شوریٰ کا ایک اجلاس اس غرض سے طلب کر لیا گیا کہ اس میں جماعت کی آئندہ پالیسی سے متعلق کوئی ایسا مصالحتی فارمولا تیار (EVOLVE) کر لیا جائے جسے عام ارکانِ جماعت کے سامنے شوریٰ کی جانب سے ایک متفقہ قرارداد کی صورت میں پیش کر دیا جائے۔

راقم الحروف کا موقف..... راقم الحروف تک جب یہ اطلاع پہنچی کہ جماعت کے 'اوپر کے حلقے' میں پھر 'مصالحت' کی کوششیں ہو رہی ہیں اور اس امر کا امکان ہے کہ ارکانِ جماعت، مال اور وقت کا صرفِ کثیر کر کے ماچھی گوٹھ کے مقام پر جمع تو اس خیال سے ہوں کہ پالیسی اور طریقِ کار کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے آئیں گے اور وہ اپنے آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں خود سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں گے ــــ لیکن ہو یہ کہ پھر شوریٰ کی ایک "متفقہ مصالحتی قرارداد" ان کے سامنے پیش کر دی جائے ــــ اور وہ جیسے جائیں ویسے ہی لوٹ آئیں ــــ تو راقم الحروف نے جماعت اسلامی منٹگمری کے پانچ دوسرے ارکان کی معیّت میں ایک متفقہ تحریر قائم مقام امیرِ جماعت کی خدمت میں ارسال کی ــــ جو درج ذیل ہے۔

لہ غالباً مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کو ابھی اس کا اندازہ نہیں ہوا تھا کہ مولانا مودودی جماعت میں اپنی مقبولیت کے نشے میں "جمہوریت" اور "شورائیت" کی اس برائے نام بساط کو بھی بالکل لپیٹ دیں گے جو ابھی کم از کم جماعت کے دستور میں قائم تھی ــــ اور 'مجلسِ عاملہ' کا ایک نیا ادارہ (Institution) قائم کر کے مجلسِ شوریٰ کو ایک بالکل غیر مؤثر اور محض علامتی ادارہ بنا دیں گے ــــ جس سے جماعت میں "اربابِ حلّ و عقد" کا جو تصور اس وقت تک قائم تھا بالکل بدل جائے گا ــــ اور مولانا اصلاحی صاحب اور ان کے ہم خیال اراکینِ شوریٰ مع جمیع مصالحت کنندگان ایک انتہائی غیر مؤثر اقلیت بن کر رہ جائینگے ــــ!!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی و مکرمی ـــــ قائم مقام امیر جماعت اسلامی پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"ہم اراکینِ جماعت اسلامی منٹگمری آپ کی وساطت سے مندرجہ ذیل امور مرکزی مجلسِ شوریٰ کے اس اجلاس میں پیش کرنا چاہتے ہیں جو اجتماعِ ارکان سے قبل منعقد ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ آپ اس تحریر کو اس اجلاس میں پڑھ کر سنا دیں گے۔

۱۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس امر کی کوشش کی جا رہی ہے کہ بجائے اس کے کہ آئندہ اجتماعِ ارکان میں پالیسی کے متعلق تمام آراء من وعن پیش ہوں اور ایک کھلی بحث کے بعد پالیسی کا تعیّن کیا جائے اس سے قبل شوریٰ ہی میں پالیسی کے بارے میں اربابِ حل وعقد کے درمیان کوئی سمجھوتہ ہو جائے اور ارکانِ جماعت کے سامنے اسی طرح کی کوئی متفقہ قرارداد پیش کی جائے جیسی کہ شوریٰ نومبر دسمبر ۵۶ء میں منظور ہوئی تھی' اور تمام اراکینِ شوریٰ بجائے اپنی اپنی آراء کو پیش کرنے کے اجتماعِ ارکان میں اس قرارداد کی حمایت کریں۔ نیز یہ کہ اس سمجھوتہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اگر پالیسی کی بحثیں اور اکابرینِ جماعت کے آپس کے اختلافات اجتماعِ ارکان میں لے آئے گئے تو پھر اس جماعت کے باقی رہنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

۲۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایسی کوئی بھی کوشش خواہ وقتی طور پر کتنی ہی خوشنما اور مفید معلوم ہو' جماعت اسلامی کے وجود اور استحکام کے لئے بالآخر سخت مضر اور مہلک ثابت ہوگی۔ لہٰذا ہم شوریٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ایسی کسی تجویز کو زیرِ عمل لانے سے قبل وہ اس کے بظاہر مفید پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ان مضر نتائج پر بھی غور کر لے کہ جو ہماری ناچیز رائے میں جلد یا بدیر لازماً رونما ہوں گے۔

۳۔ یہ بات اب ایک ناقابل تردید حقیقت بن چکی ہے کہ جماعت اسلامی کے سوچنے سمجھنے والے لوگوں میں پالیسی کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں اور ان کے حامل گروہ اپنے اپنے طرزِ فکر میں پختہ اور اپنی آراء میں شدید

ہیں۔ ایک گروہ (جس کے ہاتھ میں اس وقت جماعت کی قیادت ہے) موجودہ پالیسی کو اس کے اصولی موقف کے اعتبار ہی سے نہیں بلکہ تفصیلی و فروعی تدابیر کے لحاظ سے بھی بالکل صحیح سمجھتا ہے اور اس میں کسی اصولی تغیّر کو صحیح نہیں سمجھتا جبکہ دوسرا گروہ بعد از تقسیمِ ملک کی پالیسی کو قبل از تقسیم کی پالیسی کے لحاظ سے اصولی انحراف سمجھتا ہے اور موجودہ پالیسی میں بنیادی تغیّر چاہتا ہے۔ یہ دونوں گروہ پالیسی کے بارے میں اپنی اصولی آراء ہی کی حد تک نہیں بلکہ اپنے ذوق اور رجحان کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔

ان گروہوں کے درمیان جماعت میں ایک عرصہ سے کشمکش چلی آتی ہے۔ ابھی تک یہ کشمکش صرف اصحابِ شوریٰ تک محدود تھی اور عام اراکین کو اس کا علم تک نہ تھا لیکن اب اکثر باتیں اس محدود حلقہ سے نکل کر ایک وسیع دائرے میں پھیل گئی ہیں اور عام اراکین کی ایک بہت بڑی تعداد ان سے باخبر ہو گئی ہے۔

۵۶ء میں ان دو گروہوں کے درمیان مفاہمت اور مصالحت کی جو کوشش کی گئی تھی اور اس کے نتیجہ میں جو مصالحتی فارمولا اراکینِ جماعت کے سامنے رکھا گیا تھا۔ اس کا جو حشر ہوا ہے 'اس سے دو باتیں اخذ کی جانی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ ان دو گروہوں کے درمیان مصالحت اور سمجھوتہ کی کوشش لاحاصل ہے۔ یہ اپنے نقطہ ہائے نظر' اپنے طرز ہائے فکر اور اپنے مذاق و رجحان کے اعتبار سے ایک دوسرے سے اتنے دور ہو چکے ہیں کہ ان کو نزدیک لانے کی کوشش ایک مبارک خواہش تو کہی جا سکتی ہے لیکن عملاً بار آور نہیں ہو سکتی اور دوسرے یہ کہ آج سے قبل شوریٰ کی کھچڑی میں جو گڑ پھوڑا جاتا رہا ہے وہ اب چوراہے میں بکھر گیا ہے۔ اور اب وہ کیفیت باقی نہیں رہی کہ باتیں صرف اراکینِ شوریٰ تک محدود تھیں' جماعت کے دست و بازو یعنی ارکان اس سے واقف نہ تھے۔ اب یہ باتیں پھیل چکی ہیں۔ اب اگر "بڑے آدمی" مل کر بیٹھ بھی جائیں تو "چھوٹوں" کا خلجان رفع ہونا مشکل ہے۔

۴۔ ان حالات میں ہمارے نزدیک جماعت کی بقا اور اس کے استحکام اور اس کے عملاً کوئی کام کر سکنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ آئندہ اجتماعِ

ارکان میں ہر شخص کھلے دل کے ساتھ جو کچھ دل و دماغ میں رکھتا ہے' ارکان کے سامنے رکھ دے اور ایک عام اور کھلی (OPEN HEARTED) بحث کے بعد طے ہو جائے کہ جماعت اسلامی کے ارکان اپنے مستقبل کے لئے کون سی پالیسی کو پسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد جس کو اس پالیسی پر انشراح صدر ہو جائے وہ جماعت میں رہے اور جو انقباض محسوس کریں ان کی طرف سے جماعت کی خیر خواہی کا پہلو اسی میں ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ جماعت کو چھوڑ جائیں اور اپنے ذوق اور نظریات کے مطابق جو کام بھی کر سکتے ہوں علیحدہ ہو کر کرتے رہیں۔ اس صورت میں خواہ وقتی طور پر جماعت کو ایک نقصان برداشت کرنا پڑے اور ایسا محسوس کیا جائے کہ جماعت کو ایک بڑا دھکا لگا ہے لیکن بالآخر یہ محسوس کیا جائے گا کہ اسی میں جماعت کی بھلائی تھی۔ اس طرح جماعت کو ایک مرتبہ پھر یکسوئی' یکرنگی اور یکجہتی حاصل ہو جائے گی اور وہ سکون کے ساتھ ایک طرف جا سکے گی۔

۵۔ اس کے برعکس اگر اس وقت "انتشار کے خوف" سے ایک مصالحت کر بھی لی گئی تو اول تو اس بات ہی کا قوی اندیشہ ہے کہ پہلی مصالحت کی طرح یہ بھی زیادہ سے زیادہ پندرہ دن کی "طویل" عمر پا سکے لیکن اگر اس مرتبہ جماعت کے اکابرین نے ذرا زیادہ بڑے ظرف کا ثبوت دیا، تب بھی یہ تو یقینی ہے کہ جماعت زیادہ دور نہ چل پائے گی کہ یہ کشمکش پھر پیدا ہو کر رہے گی اور جماعت اپنی اندرونی کشمکش میں اس طرح الجھ کر رہ جائے گی کہ اور کوئی مفید کام اس کے لئے ممکن نہ رہے گا۔ یہ تو ممکن ہے کہ یہ کشمکش "خفی" رہے اور پہلے کی طرح "جلی" نہ ہو۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ ختم ہو جائے۔

۶۔ اس وقت کی "مصالحت" کے بارے میں تین باتیں بالکل واضح ہیں۔

(الف) ..... یہ کہ اس کی بنیاد کسی مثبت جذبے کی بجائے ایک "منفی خدشہ" پر ہے اس وقت محض انتشار کے خطرے سے بچنے کی غرض سے یہ کوشش کی جا رہی ہے۔ بجائے اس کے کہ گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کے بعد ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کے قریب آنے کی وجہ سے مفاہمت ہو رہی ہو اور اب فریقین اپنے اپنے مقام سے واقعتہً ہٹ کر ایک جگہ آ کھڑے ہوئے ہوں ـــ صورت حال یہ ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر ہیں۔ (بلکہ حالیہ واقعات نے تلخی میں

اضافہ کر دیا ہے) لیکن انتشار کے خوف سے دبک کر بیٹھ رہے ہیں۔ اس طرح "حبِّ علیؓ" کی بجائے "بغضِ معاویہؓ" پر جو اتحاد قائم ہو، ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد بے حد کمزور ہوگی۔

(ب) ..... مولانا مودودی صاحب اور ان کے رفقاء کے ارادوں اور ان کی نیتوں کے بارے میں کوئی بات نہ کہی جا سکے تو بھی "اختلاف" رکھنے والے لوگوں کے بارے میں تو ہمیں یقین کے ساتھ یہ بات معلوم ہے کہ وہ اس موقع پر مصالحت اس لئے کر رہے ہیں کہ آئندہ کشمکش کا موقع باقی رہے۔ عین اس وقت جبکہ یہ حضرات مصالحت کی باتیں کر کے آئے ہوتے ہیں ان کی آراء دوسرے لوگوں کے بارے میں انتہائی سخت ہوتی ہیں اور اپنے طرزِ فکر کے لوگوں کے سامنے سخت ترین آراء کا اظہار کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے ـــــ اس لحاظ سے کم از کم ہم لوگوں کو تو یہ ایک "منافقانہ مصالحت" معلوم ہوتی ہے، جس کا چند روز سے زیادہ چل جانا مشکل اور کسی مفید نتیجہ تک پہنچنا ناممکن ہے۔

(ج) ..... مولانا مودودی صاحب اور ان کے رفقاء یہ محسوس کر رہے ہیں کہ خیریت اسی میں ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ اجتماع گزر جائے۔ اس وقت ان کے لئے اپنے نقطۂ نظر کو پیش کر کے اور اپنی بات پر اصرار کر کے اجتماع میں کامیابی مشکل نظر آ رہی ہے۔ کہاں تو وہ کیفیت تھی کہ اپنے وجوہ استعفیٰ انہوں نے اجلاسِ شوریٰ میں بیان کرنے کی بجائے اجتماعِ ارکان میں رکھنے مناسب سمجھے تھے اور ۳۲ء سے آج تک مختلف اوقات و ادوار میں اپنی اختیار کردہ پالیسی کو ایک طویل تقریر میں پیش کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا۔ کہاں اب یہ باتیں سننے میں آ رہی ہیں کہ وہ ایسی کوئی تقریر بھی نہیں کریں گے اور اپنے استعفیٰ کے وجوہ بھی سامنے نہیں لائیں گے۔

۷۔ ان حالات میں شوریٰ سے ہماری درخواست یہ ہے کہ اب مصالحت اور مفاہمت کی کسی نئی کوشش میں وقت ضائع نہ کیا جائے اور اس سے قبل کی ایسی ہی کوشش اور اس کے انجام سے عبرت حاصل کر کے آئندہ اجتماعِ ارکان کی نوعیت وہی رکھی جائے جو اس کا اعلان کرتے ہوئے پیشِ نظر تھی ـــــ یعنی یہ کہ مولانا مودودی صاحب جو اس تحریک کے داعی، مؤسس اور از یوم تاسیس تا امروز

قائد اور امیر رہے ہیں، وہ تفصیل کے ساتھ اور بغیر کسی MENTAL RESERVATION کے اپنا ذہن جماعت کے ارکان کے سامنے رکھ دیں اور ماضی کی پالیسی کی وضاحت کے ساتھ ساتھ صاف صاف بتادیں کہ آئندہ وہ جماعت کو کس رخ پر لے کر جانا چاہتے ہیں اس کے بعد تمام ارکانِ جماعت عام اس سے کہ وہ عام رکن ہو یا رکنِ شوریٰ اگر اس سے کوئی فروعی یا اصولی اختلاف رکھتے ہوں تو اسے واضح کرے ایک کھلی بحث کے بعد طے ہو جائے کہ آئندہ پالیسی کیا ہوگی اور اس کے بعد جو لوگ اس پالیسی سے مطمئن نہ ہوں وہ جماعت سے علیٰحدہ ہو جائیں اور اپنے نظریات کے مطابق جو کام کر سکتے ہوں کریں اور جماعت یکسوئی کے ساتھ اپنی طے کردہ پالیسی پر عمل پیرا ہو سکے۔

ہماری ناچیز رائے میں اسی میں جماعت کی بھلائی مضمر ہے۔ !!!

خطرہ بیان کیا جارہا ہے کہ اس طرح جماعت منتشر ہو جائے گی۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر یہ جماعت ایسی ہی کچی بنیادوں کے بھروسے پر اسے آگے لئے جا رہے ہیں؟ جو جماعت اندرونی اختلاف کا ایک حادثہ برداشت نہ کر سکے وہ آخر آگے کیا کام کر سکے گی ــــ؟ دوسرے یہ کہ اگر واقعۃً گند اس قدر زیادہ ہے کہ اس کے سامنے آتے ہی یہ جماعت نسیاً منسیاً ہو جائے گی تو پھر آخر آپ اس کو چھپا کر کب تک رکھ سکیں گے؟

۸۔ اگر یہ چیز منظور نہ ہو اور یہ چیز متفق علیہ ہو کہ اس طرح جماعت ختم ہو جائے گی تو پھر ہماری گزارش شوریٰ کے اختلاف کرنے والے گروہ سے یہ ہے کہ وہ لوگ جماعت کے اتنے ہی خواہ ہیں تو پھر ان کو چاہئے کہ وہ خاموشی کے ساتھ جماعت سے علیٰحدہ ہو جائیں ایک ایسی جماعت کو کہ جو ابھی منزلِ مقصود سے بہت دور ہے اور جسے اپنا مقصود حاصل کرنے کے لئے ابھی ایک طویل اور SOLID جدوجہد کرنی ہے، آپس کی کشمکش میں مبتلا کئے رکھنے کو اس کی خیر خواہی سمجھنا حماقت نہیں تو غلط فہمی ضرور ہے۔ اگر وہ اس پر بضد ہیں کہ جماعت میں رہنا بھی ہے اور اسے اپنے نظریات پر موڑنا بھی ہے تو یہ موقع موجود ہے۔ دیانت داری کے ساتھ اپنی بات ارکان کے سامنے رکھ دیں، اگر جماعت ان کی بات مان لے تو فبہا ورنہ پھر سیدھے سیدھے جماعت کو دوسری طرف جانے دیں اور مزید روڑے

نہ اٹکائیں۔ نہ اس جماعت کی چلتی گاڑی کو بریک لگا کر کھڑا رکھ چھوڑیں اور اگر وہ اس میں جماعت کی تباہی دیکھتے ہیں اور یہ انہیں ناپسند ہے تو پھر ایک ہی راہ ہے کہ خاموشی سے علیٰحدہ ہو جائیں۔

۹۔ اور اگر نہ شوریٰ ہماری بات مانے ـــــ نہ اختلاف کرنے والے حضرات کو ہماری بات سے اتفاق ہو تو پھر ہم اپنے بارے میں دو شکلیں تجویز کرتے ہیں۔

(ا) ..... یہ کہ کم از کم ہمیں اس بات کا پورا موقع دیا جائے کہ ہم اجتماعِ ارکان میں اپنے نقطۂ نظر کو وضاحت سے رکھ دیں۔ اس کام کے لئے جتنا وقت ہمیں درکار ہو' دیا جائے اور ہم پر کوئی روک ٹوک نہ کی جائے کہ یہ کہا جا سکتا ہے اور یہ نہیں! ـــــ تاکہ ہم پورے طور پر مطمئن ہو جائیں کہ ہم نے اپنی بات کہہ دی ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ ہم "منافقت" کے ساتھ جماعت کے ساتھ چلنے کو اپنے اوپر بھی ظلم سمجھتے ہیں اس لئے کہ اس طرح آخرت میں اجر تو دور رہا، عذاب کا خطرہ نظر آتا ہے۔ اور جماعت پر بھی ظلم سمجھتے ہیں کہ ہم اس کے مجموعی ذہن سے علیٰحدہ ایک ذہن رکھتے ہوں اور پھر بھی ساتھ چلیں اور عملاً اس کا حاصل یہ ہو کہ ـــــ نہ خود چلیں اور نہ دوسروں کو چلنے دیں۔

(ب) ..... اور اگر یہ بھی قابلِ قبول نہ ہو تو ہمیں اجتماع سے قبل ہی مطلع کر دیا جائے۔ ہم اس کے لئے پورے انشراحِ صدر کے ساتھ تیار ہیں کہ خاموشی کے ساتھ جماعت سے علیٰحدہ ہو جائیں اور نہ اپنی منزل کھوٹی کریں اور نہ جماعت کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہوں۔ ہماری اس طرح کی علیٰحدگی بھی انشاءاللہ جماعت کے لئے نقصان کا موجب نہ ہوگی بلکہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس طرح ہم شاید جماعت کی کوئی نہ کوئی خدمت ہی سرانجام دے سکیں گے۔

مزید تشریح مناسب ہے کہ بصورتِ اوّل ہمیں کم از کم اتنا وقت درکار ہے کہ ہم اپنے اس متفقہ بیان کو جو ہم نے جائزہ کمیٹی کے سامنے پیش کیا تھا پڑھ کر اجتماعِ ارکان میں سنا دیں اور آئندہ کے بارے میں ایک قرارداد مرتب کر کے اسے وضاحت کے ساتھ پیش کر سکیں۔

ہم ۱۶ر تاریخ تک کسی اطلاع کے منتظر رہیں گے اور صرف پہلی شکل کی منظوری کی صورت میں اجتماع کے لئے حاضر ہوں گے۔ براہ کرم ہمیں ۱۶ر فروری کو

بارہ تا ۲ بجے دوپہر فون نمبر ۱۸۷ پر فیصلہ سے مطلع کر دیا جائے۔ تاکہ ہم اجتماع میں شریک ہونے' یا یہاں کے دوسرے ارکان کے ہاتھ اپنے استعفیٰ بھجوانے کا فیصلہ کر سکیں ــــ فقط والسلام!

ہم ہیں اراکین جماعت اسلامی منٹگمری
(چھ اراکین کے دستخط)

اس تحریر کے جواب میں ہمیں بذریعہ تار مطلع کیا گیا کہ اجتماعِ ارکان میں سب کو اظہارِ رائے کا پورا موقع دیا جائے گا!۔

بقیہ: 'باب سوم'

ایک لفظ کا پوسٹ مارٹم کیا لیکن ان کا اصل زور دستور اور ضابطے کی پابندی ــــ اور جمہوریت اور شورائیت کے نظام کو برقرار رکھنے پر تھا! ــــ اور ان کے خط کے اسی مرکزی نقطے کی وضاحت کیلئے اس کے پس منظر کو اس قدر تفصیلاً بیان کرنا ضروری تھا ــــ!

تنظیم اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام

جنوری اور فروری ۹۰ء کے مجوزہ پروگرام

۵ تا ۱۲ جنوری ۱۹۹۰ء

تربیت گاہ برائے مبتدی رفقاء

تنظیم اسلامی میں نئے شامل ہونے والے رفقاء کے علاوہ وہ پرانے رفقاء بھی اس میں شریک ہوں جنہوں نے ابھی تک مبتدی تربیتی نصاب شروع نہیں کیا۔

۶ فروری ۱۹۹۰ء

اجتماعِ رفقاء بسلسلہ اظہارِ خیال

(اس اجتماع میں رفقاء مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کریں گے۔ تاکہ تنظیم اسلامی کے ذمہ دار حضرات ان کی آراء سے استفادہ کر سکیں!)

نزلہ
نزلہ کُشتن روزِ اوّل
گلے میں خراش محسوس ہو یا چھینکیں آنا شروع ہوں تو سمجھ لیجیے کہ نزلہ زکام کی آمد آمد ہے۔ اسے معمولی بیماری سمجھ کر نظرانداز نہ کیجیے۔ فوری جوشینا لیجیے ورنہ زکام، کھانسی اور بخار جیسے تکلیف دہ امراض لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔
جوشینا۔ صدیوں سے استعمال ہونے والے جوشاندے کے نہایت مؤثر، کافی و شافی قدرتی اجزا کا
خُلاصہ (ایکسٹریکٹ) ہے جو ہمدرد کے ماہرینِ فن نے سال ہاسال کے تجربات و تحقیق کے بعد جدید دور کے مصروف انسان کے لیے تیار کیا ہے تاکہ اسے جوشاندے کو ابالنے، چھاننے اور شکر ملانے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔ ایک پیکٹ جوشینا ایک کپ گرم پانی میں ڈالیے فوری استعمال کے لیے جوشاندے کی ایک خوراک تیار ہے۔
ہمدرد کی فنی محنت اور دوا سازی کی صلاحیت کا مظہر
جوشینا | جوشاندے کی مکمل توانائی
نزلہ و زکام۔ جوشینا سے آرام
ہمدرد
جوشینا دو پیکنگوں میں دستیاب ہے خوب صورت پلاسٹک مگ میں اور گتّے کے کارٹن میں۔
عفو و درگذر بہترین انتقام ہے
Adarts-JOS-1/89

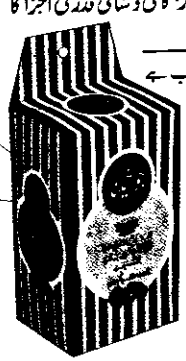

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

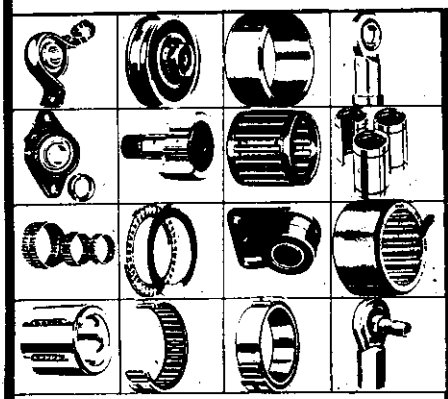

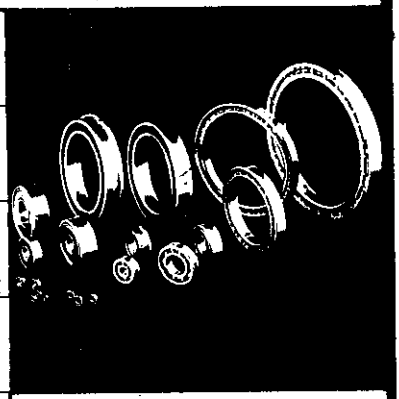

PRODUCTS

DISTRIBUTOR

ROD KBC EZO

EZO HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

STOCKIST

TR NACHI Koyo NSK SKF NTN

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

Jawad

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

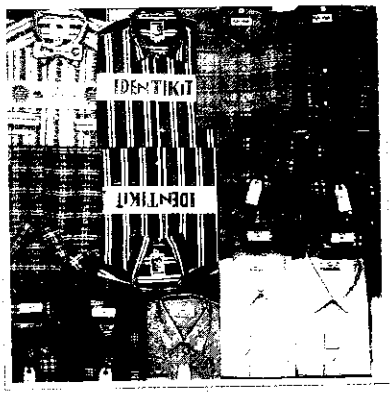

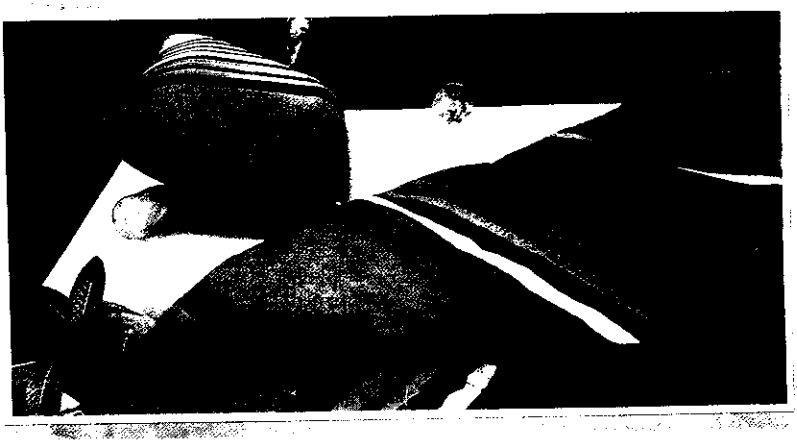

For furtner details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
IV C 3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018 625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7360
VOL. 39 NO.1
JANUARY 1990

معدہ کی گیس ۔ تیزابیت ۔ سینہ کی جلن اور متلی کے لیے

لیکوڈ
گیسٹوفل

تحقیق کی روایت ۔ معیار کی ضمانت

QD – 6